تاجدارِ ختمِ نبوت زندہ باد

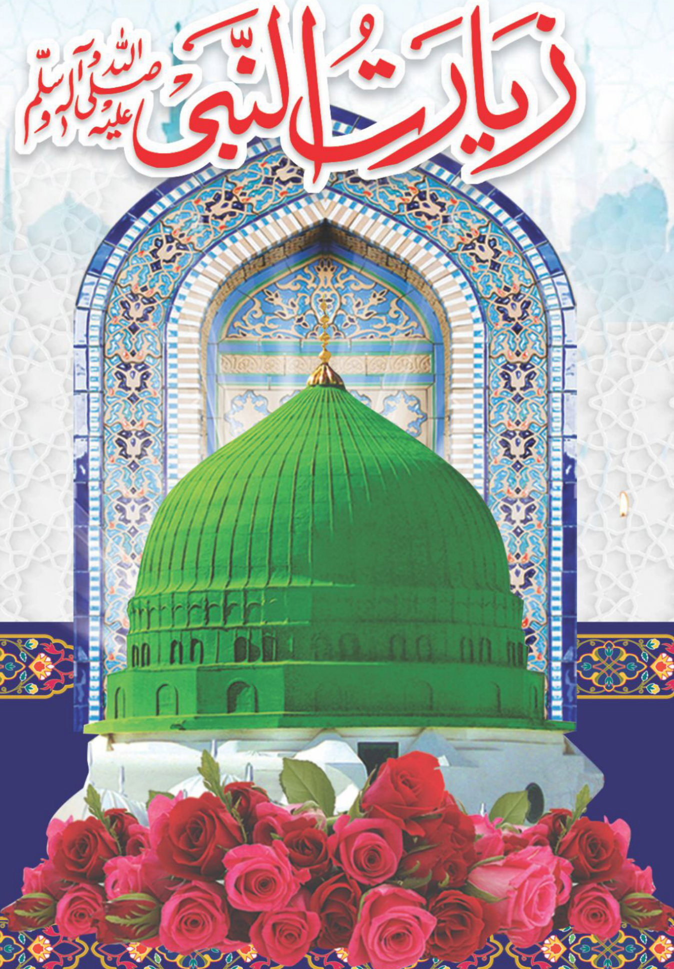
ماہنامہ

# الحقیقہ

مجلہ پاکستان

جون 2022ء

## زیارت النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم



حضور مفکرِ اسلام

## ایک منفرد حمد و نعت گو

(اداریہ)

## ہمارے اخلاقی بگاڑ کا ذمہ دار کون

پی ٹی آئی یا نون لیگ؟

## طلبہ کی تعمیر و ترقی میں استاد کا کردار

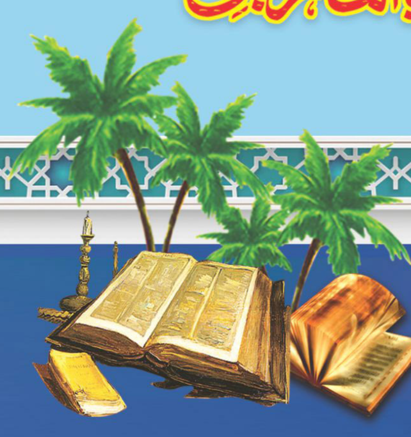
## ایک سفر جو حاصلِ حیات بن گیا

## کشف المعانی مکتوبات امام ربانی رحمۃ اللہ علیہ

## معاشرے میں منشیات کے بڑھتے ہوئے رجحانات

## مسائلِ دینیہ

دورِ حاضر کے مسائل کا قرآن وحدیث کی روشنی میں مدلل حل



## محبتوں اور جراتوں کا قافلہ رواں دواں

# فہرست

# حمد و نعت

رحمت نہ ہو خدا کی تو عشق نبی ﷺ کہاں　　عشق نبی ﷺ اگر نہ ہو، توحید بھی کہاں

وہ آ گئے تو سارا زمانہ چمک اٹھا　　عرفان حق کی پہلے تھی یہ روشنی کہاں

جن کو خدا نے رحمت عالم بنا دیا !　　ان جیسا دو جہان میں ہو گا سخی کہاں

ایسی مماثلت میں بھی اک گونہ شرک ہے　　اللہ کا نبی کہاں ، غیر نبی کہاں

کیسا سکوں ہے ذکر خدا و رسول میں　　دنیا کے تاج و تخت میں یہ چاشنی کہاں

نام نبی سے توبہ آدم ہوئی قبول　　لیتا نہیں جو نام نبی ، آدمی کہاں

روح و بدن میں ، بحر و بر، عرش و فرش میں　　نور حبیب کی نہیں جلوہ گری کہاں

کر نذر زندگی کہ تجھے زندگی ملے　　رکھی ہے ورنہ زندگی میں زندگی کہاں

فیض نگاہ مرشد ہے ورنہ یہ سوچئے　　آسی کہاں ، ثنائے خدا و نبی کہاں

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اَلَآ اِنَّ اَوْلِيَآءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ

یونس۔۶۲

ترجمہ: سُن لو اللہ کے ولیوں پر نہ کچھ خوف ہے اور نہ کچھ غم



# محبّتِ اہلِ بیت رضی اللہ عنہم اور حضور مفکرِ اسلام رحمۃ اللہ علیہ

ہر وہ شخص جس کو اللہ تعالیٰ نے ایمان اور عقل وفہم کی دولت عطا فرمائی ہے، وہ یقین کے ساتھ جانتا ہے کہ حُبِّ مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثناء ایمان کی روح ہے:

محمد ﷺ کی محبت دینِ حق کی شرطِ اوّل ہے
اسی میں ہو اگر خامی تو سب کچھ نامکمل ہے

محبت کا تقاضا ہے کہ محبوب سے نسبت رکھنے والی ہر چیز سے محبت رکھی جائے۔اس کے یاروں سے محبت،اس کے پیاروں سے محبت،اس کے وطن سے محبت،اس کی گلی کے ذرّوں اور سنگ ریزوں سے محبت۔محبّ کو تو اپنے محبوب کی نسبت سے غرض ہوتی ہے، جہاں اسے اس کی معمولی سی جھلک دکھائی دے،محبت بے چین ہو جاتی ہے۔قیس عامری (مجنوں) نے کہا تھا:

اَمُرُّ عَلَى الدِّيَارِ دِيَارِ لَيْلٰى — اُقَبِّلُ ذَالْجِدَارَ وَ ذَاالْجِدَارَا
وَمَا حُبُّ الدِّيَارِ شَغَفْنَ قَلْبِىْ — وَلٰكِنْ حُبُّ مَنْ سَكَنَ الدِّيَارَا (عمدۃ القاری،عینی،جلد۹،ص۲۴۱)

''میں لیلیٰ کی بستی کے پاس سے گزرتا ہوں تو کبھی اس دیوار کو چومتا ہوں اور کبھی اس دیوار کو۔مجھے ان گھروں کے در و دیوار اور پتھروں کی محبت نے نہیں، بلکہ اس محبوب کی محبت نے میرے دل کو فریفتہ و دیوانہ کر دیا ہے، جو کبھی یہاں سکونت پذیر رہ چکا ہے''

جب عام محبت کا یہ دستور ہے تو جو جانِ محبت، جانِ ایماں، محبوبِ ربِّ رحماں اور سید الانس والجاں ہیں، ان کے ساتھ محبت و عشق کی کیا کیفیت ہونی چاہیے۔پھر جب عام محبت کے قانون کے مطابق محبوب سے متعلق ہر شے محبوب ہوتی ہے تو سرکارِ دو جہاں صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم کے محبین کو کیوں نہ اس بظاہر ادنیٰ شے سے بھی محبت ہوگی جس کی نسبت آپ صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم سے ہے۔اور جب نسبت رکھنے

والی ادنیٰ شے کی محبت لازم ہے تو بتایئے، اہلِ بیتِ رسول کے ساتھ محبت وعقیدت کا کیا عالم ہونا چاہیے، جو بعد از انبیاء اس روئے ارض پر خدا کی مقدس ترین جماعت بھی ہے اور جسے خونی نسبت بھی حاصل ہے حضور صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم کے ساتھ۔ اس پر مستزاد یہ کہ آپ صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم بحکمِ الٰہی یہ اعلان فرما رہے ہیں:

قُلْ لَّا اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبٰى ..... (الشوریٰ،۴۲:۲۳)

ترجمہ:۔ آپ (ﷺ) فرمایئے! میں تم سے (اس دعوتِ حق پر) کوئی معاوضہ طلب نہیں کرتا، بجز قرابت کی محبت کے۔

مفسرِ قرآن حضرت سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: جب یہ آیتِ کریمہ نازل ہوئی تو صحابہ کرام نے عرض کیا، یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! آپ صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم کے قرابت دار کون ہیں، جن کی محبت ہم واجب ہے۔ فرمایا: عَلِيٌّ وَ فَاطِمَةُ وَ ابْنَا هُمَا۔ (زرقانی جلد ۷ صفحہ ۲۰)

☆ ...... حضورِ اکرم نورِ مجسم صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم کا ارشادِ عالیشان ہے: (عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں)

اَحِبُّوا اللّٰهَ لِمَا يَغْذُوْكُمْ مِّنْ نِعَمِهٖ وَاَحِبُّوْنِيْ لِحُبِّ اللّٰهِ وَاَحِبُّوْا اَهْلَ بَيْتِيْ لِحُبِّيْ ..... (ترمذی)

ترجمہ:۔ اللہ تعالیٰ سے محبت رکھو کہ وہ نعمتیں عطا فرماتا ہے اور مجھ سے محبت رکھو، اللہ کی محبت کی بنا پر اور میرے اہلِ بیت سے محبت رکھو، میری محبت کی بنا پر۔

نتیجہ یہ نکلا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم کے اہلِ بیت سے محبت، خدا اور رسول کی محبت کا تقاضا ہے۔ چند اَور ارشادات سن لیجیے:

☆ ...... عَنْ عَبْدِالْمُطَّلِبِ ابْنِ رَبِيْعَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لَا يَدْخُلُ فِيْ قَلْبِ امْرَءٍ اِيْمَانٌ اِلَّا بِحُبِّ قَرَابَتِيْ ..... (ترمذی)

ترجمہ: عبدالمطلب بن ربیعہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم نے فرمایا کسی شخص کے دل میں ایمان داخل نہیں ہوتا مگر میرے اہلِ بیت کی محبت کے ساتھ۔

☆ ...... ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کے بیان کے مطابق حضور سید عالم صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم نے فرمایا:

وَالَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهٖ لَا يُبْغِضُنَا اَهْلَ الْبَيْتِ اَحَدٌ اِلَّا اَدْخَلَهُ اللّٰهُ النَّارَ ........ (مستدرک، زرقانی، صواعق)

ترجمہ:۔ قسم ہے اس ذات کی، جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے، جس کسی نے بھی ہم اہلِ بیت سے بغض رکھا، اللہ نے اسے جہنم میں ڈالا۔

☆ ...... حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم نے حضرت سیدنا علی، سیدہ فاطمہ، امامین حسنین علیہم الرضوان کے بارے میں فرمایا:

اَنَا حَرْبٌ لِّمَنْ حَارَبَهُمْ وَ سَلْمٌ لِّمَنْ سَالَمَهُمْ ..... (ترمذی)

ترجمہ:۔جوان سے لڑے، میری اس سے لڑائی اور جس کی ان سے صلح، میری اس سے صلح ہے۔

☆...... حضرت جابر رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وا لہٖ وسلم کو اپنے حج میں عرفہ کے دن اپنی ناقہ قصواء پر خطبہ دیتے ہوئے سنا۔آپ فرمارہے تھے:

يَااَيُّهَا النَّاسُ اِنِّیْ تَرَكْتُ فِيْكُمْ مَا اِنْ اَخَذْتُمْ بِهٖ لَنْ تَضِلُّوْ ا كِتَابَ اللّٰهِ وَ عِتْرَتِیْ اَهْلَ بَيْتِیْ .....(ترمذی)

ترجمہ:۔اے لوگو! میں نے تم میں وہ چیزیں چھوڑی ہیں کہ جب تک انہیں تھامے رہو گے، گمراہ نہیں ہو گے۔اللہ کی کتاب اور میری عترت یعنی اہلِ بیت۔

☆...... حضرت سیدنا صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

اُرْ قُبُوْ ا مُحَمَّدًا فِیْ اَهْلِ بَيْتِهٖ .....(بخاری)

ترجمہ:۔لحاظ کرو جنابِ محمد صلی اللہ علیہ وا لہٖ وسلم کا آپ کے اہلِ بیت میں۔

یہاں امام شافعی علیہ الرحمہ کی بھی سن لیجیے:

يَا اَهْلَ بَيْتِ رَسُوْلِ اللّٰهِ حُبُّكُمْ فَرْضٌ مِّنَ اللّٰهِ فِی الْقُرْآنِ اَنْزَلَهٗ

كَفَا كُمْ مِّنْ عَظِيْمِ الْقَدْرِ اَنَّكُمْ مَنْ لَّمْ يُصَلِّ عَلَيْكُمْ لَا صَلٰوةَ لَهٗ (مرقاۃ شرحِ مشکوٰۃ۔الصواعق المحرقہ)

"اے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وا لہٖ وسلم کے اہلِ بیت! اللہ تعالیٰ نے اپنے نازل کردہ قرآنِ کریم میں آپ کی محبت کو فرض قرار دیا ہے۔آپ کی قدر ومنزلت کے لیے یہی کافی ہے کہ جو شخص آپ پر درود نہ پڑھے، اس کی نماز ہی کامل نہیں ہوتی"۔

(یعنی نماز جو رب تعالیٰ کی عبادت ہے، مگر اس میں بھی ہر نمازی کے لیے نبی پاک صلی اللہ علیہ وا لہٖ وسلم کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وا لہٖ وسلم کی آل پاک پر درود بھیجنا لازم ٹھہرایا گیا ہے) غوث الاولیاء، قطب الاصفیاء، نائبِ مصطفیٰ، وارثِ مرتضیٰ، حضور شاہِ جیلان وخواجۂ بغداد رضی اللہ عنہ سے منسوب ایک شعر ہے:

زغیر آلِ نبی حاجتے اگر طلبم رو امدار یکے از ہزار حاجاتم

ترجمہ:۔آلِ رسول صلی اللہ علیہ وا لہٖ وسلم کے در کی گدائی گویا رحمتِ باری کو جوش میں لانے کا بہترین ذریعہ ہے۔

تاجدارِ علی پور سیداں شریف، حضور شہنشاہِ لاثانی علیہ الرحمہ کو اہلِ بیتِ اطہار علیہم الرضوان کے ساتھ گہری عقیدت و مودّت تھی۔بالخصوص سیدۃُ نساءِ العالمین خاتونِ جنت حضرت سیدہ فاطمۃ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا از حد ادب واحترام کرتے۔ایک دفعہ عربی کے زبردست فاضل حضرت مولانا غلام غوث صاحب سکھو چکی مرحوم دربارِ علی پور شریف میں حاضر تھے۔حضور شاہِ لاثانی علیہ الرحمہ نے ان سے فرمایا: ''مولوی صاحب! مجھے مائی صاحبہ سیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے بے حد عقیدت ہے کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وا لہٖ وسلم نے

فرمایا:اَلْـفَاطِمَةُ بِضْعَةٌ مِّنِّیْ (یعنی فاطمہ میرا جگر پارہ ہے)،آپ فرمائیں اصل عقیدہ کیا ہونا چاہیئے"۔مولوی صاحب نے تائید کی اور عرض کیا کہ حضور! نواب صدیق الحسن بھوپالی جیسا شخص بھی یہ لکھنے پر مجبور ہو گیا ہے: ؎ جگر جگر است رشتہ دگر است

آپ ماہِ رمضان المبارک کی تین تاریخ کو جنابِ سیدہ رضی اللہ عنہا کا عرس شریف منعقد کرتے اور لوگوں کو بھی اس کی تلقین فرماتے۔ ایک بار فرمایا: "لوگ عام انسانوں کا ختم دلواتے ہیں اور باعثِ ثواب سمجھتے ہیں،مگر جنابِ سیدہ کا جو کل صلحاء اور اولیاء سے بدرجہا افضل ہیں، عرس کیوں نہیں کرواتے"۔فرمایا: "حضور مائی صاحبہ سیدہ رضی اللہ عنہا کا ختم شریف دلایا کرو،اس سے کوئی کمی نہیں آتی،میں ذِمّہ دار ہوں"۔

حضور شاہِ لاثانی علیہ الرحمہ کو اوصافِ اہل بیت سننے کا اس قدر شوق تھا کہ جہاں کہیں سے کوئی شعر یا منقبت وغیرہ سن لیتے لکھوا لیتے۔آپ اکثر یہ شعر پڑھا کرتے تھے:

نوشتہ بر درِ جنّت بخطِ سبز وجلی شفیع روزِ قیامت محمّد است وعلی (ﷺ ورضی اللہ عنہ)

ترجمہ:۔جنت کے دروازے پر سبز اور واضح لکھا ہے کہ روزِ قیامت حضرت محمد ﷺ اور حضرت علی شفاعت کرنے والے ہیں۔

اہلِ بیتِ رسول سے محبّت کی یہی صورتحال قیومِ زمانی حضور نقشِ لاثانی رحمۃ اللہ علیہ کی تھی اور یہی وصفِ جمیل ہمارے مرشدِ عالی مقام حضور مفکرِ اسلام علیہ الرحمہ کی شخصیت میں بھی بدرجۂ کمال نظر آتا ہے۔بارہا امام شافعی علیہ الرحمہ کے یہ اشعار آپ کو جھوم جھوم کر پڑھتے سنا گیا:

اٰلُ النَّبِیِّ ذَرِیْعَتِیْ وَھُمْ اِلَیْهِ وَسِیْلَتِیْ
اَرْجُوْا بِهِمْ اُعْطٰی غَدًا بِیَدِ الْیَمِیْنِ صَحِیْفَتِیْ

آپ کو حضور امام الانبیاء حبیبِ کبریا علیہ التحیۃ والثناء کی پیاری صاحبزادی صاحبہ مخدومۂ کائنات،ملکۂ فردوسِ بریں،نورِ چشمِ رحمۃ للعالمین سیدہ فاطمۃ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے ساتھ کمال الفت وعقیدت تھی۔اور ان کے لختِ جگر،نورِ دیدۂ بتول،جگر گوشۂ رسول حضرت سیدنا امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے یومِ شہادت (۱۰محرم الحرام) پر تو سوز وگداز کا ایک عجیب عالم ہوتا تھا۔ذکرِ شہادتِ امام پاک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سنتے وقت آنسوؤں کی لڑیاں مسلسل بہہ رہی ہوتیں۔بلکہ یوں محسوس ہوتا کہ جسمِ پاک کا رواں رواں سوگوار وغمناک ہے۔پھر جب آپ ذکرِ شہادت کرتے تو کس آنکھ میں تاب ہوتی کہ اشکوں کا سیلاب روک سکے۔

حضور مفکرِ اسلام علیہ الرحمہ کا دَور نت نئے فتنوں کی بھرمار کا دور تھا۔اسی دور میں بغضِ آلِ رسول اور محبتِ یزید کے نہایت مکروہ درس دیے جا رہے تھے۔شہزادۂ رسول،جگر گوشۂ بتول حضرت سیدنا امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی سورج سے زیادہ چمکتی شہادت کا انکار کر کے یزید لعین کو جنتی ثابت کرنے کے لیے علماءِ دیوبند ونجد ایڑی چوٹی کا زور لگا رہے تھے۔چنانچہ محمود احمد عباسی کی "تبصرہ محمودی بر ہفواتِ مودودی"،ابویزید محمد دین بٹ کی "خلافتِ رشید ابنِ رشید"،ابوعتیق محمد امین کی "خادم کی معارفِ یزید"،ان کے علاوہ "خلافتِ معاویہ

ویزید" اور "مذہب اور سیاست" جیسی کتابیں اسی غلیظ عقیدے کے پرچار کے لیے منظرِ عام پر آچکی تھیں۔ حضور مفکرِ اسلام تڑپ اٹھے، آپ نے قلم اٹھایا اور "امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حقانیت" لکھ کر ان دشمنانِ ایمان و دین کی خوب خبر لی۔ آپ کی تحاریر اور تقاریر اس بات پر شاہد ہیں کہ ان کے عقائدِ باطلہ کے رد میں آپ کا برق بار قلم کس طرح بجلیاں گراتا رہا اور زبانِ اقدس انہیں جہنم کی آگ کی خبر دیتی رہی۔

آپ نے نظم و نثر میں آیات و احادیث کی روشنی میں شانِ اہلِ بیتِ اطہار بھی بیان کی اور دلائل و براہین کے ساتھ امام پاک کی قربانیوں اور دینِ حنیف پر احسانِ عظیم کو نہایت احسن انداز سے بیان کیا۔ نیز جس 'حدیث' کو مخالفین یزید کے جنتی ثابت کرنے کے لیے دلیل بناتے ہیں، اصولِ حدیث کی روشنی میں اس کی فنی حیثیت پر بھی سیر حاصل بحث کی۔ یوں حق نکھر کر سامنے آگیا اور باطل کا چہرہ مزید سیاہ ہوا۔

آپ کے درِ دولت پر تمام افرادِ اہلِ بیتِ اطہار علیہم الرضوان کے ایامِ شہادت نہایت تزک و احتشام کے ساتھ منائے جاتے۔ باقاعدہ محافل ہوتیں اور عمدہ لنگر شریف کا اہتمام ہوتا۔ ان دنوں میں کثرت کے ساتھ گڑ گڑا کر ان مقدس ہستیوں کے وسیلے سے ربّ کائنات کی بارگاہ میں ملتِ اسلامیہ کی سربلندی کے لیے دعائیں کی جاتیں۔ بلکہ امہات المومنین رضی اللہ تعالیٰ عنہن کے ایامِ وصال پر بھی یہی اہتمام ہوتا۔ بالخصوص حضرت سیدہ خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کے دن (۱۰ رمضان المبارک) اور حضرت سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے دن (۱۷ رمضان المبارک) بھی یہی معمولات ہوتے۔ آپ قرآن و حدیث کی روشنی میں تمام امہات المومنین رضی اللہ عنہن کو اہلِ بیتِ رسول میں گردانتے بلکہ حضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے جمیع شہزادے، شہزادیاں، حضرت صدیق اکبر، حضرت عمر فاروق (جو سسر بھی تھے)، حضرت عثمان غنی (جو داماد تھے) رضوان اللہ علیہم اجمعین نیز قریبی رشتہ داروں کو بھی خاندانِ اہلِ بیت کے جز و قرار دے کر ان کے ایام منا کر ان کی سیرت کے حسین نقوش دکھانے کا بندوبست کیا کرتے۔ آپ کا عقیدہ تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خاندانِ مقدس کے کسی بھی فرد کے وسیلے سے مانگی جانے والی دعا شرفِ قبولیت حاصل کر لیتی ہے۔

یونہی ساداتِ کرام کے احترام میں بھی کوئی کسر نہ چھوڑتے۔ اگر کسی شخص کے بارے میں معلوم ہو جاتا کہ سید ہے تو اس کے ہاتھ چومتے، کبھی اس کے پاؤں کو ہاتھ لگاتے۔ خادمِ بارگاہ سعید ایک مرتبہ حاضرِ بارگاہ ہونے کے لیے روانہ ہوا تو ساتھ دس گیارہ برس کا ایک سید بچہ ہو لیا۔ دیہات میں رہنے والا یہ بچہ ایک ٹانگ سے معذور تھا، رنگ نہایت سیاہ تھا، یعنی مجموعی طور پر وضع قطع ایسی تھی کی اس کے ساتھی لڑکے بھی اس کی طرف زیادہ توجہ نہیں دیتے تھے۔ لیکن جب ہم خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئے اور حضور کو معلوم ہوا کہ بچہ گلشنِ سادات کا ایک پھول ہے تو اس کے ہاتھ چومے، اونچی جگہ پر بٹھایا، غرض خوب تعظیم کی اور جب وہ بچہ رخصت ہونے لگا تو کچھ رقم بطور نذرانہ بھی دی۔ آپ کی یہی عادتِ مبارکہ تا حیات رہی۔ نبی پاک علیہ الصلوۃ والسلام کے مقدّس خاندان یعنی ساداتِ کرام کا کوئی فرد اگرچہ آپ کے حلقۂ ارادت میں شامل ہوتا، پھر بھی اس کے ادب و احترام کا التزام ہوتا اور دیگر کو بھی سختی سے تاکید ہوتی کہ ان کی تعظیم سے سرِ مُو انحراف نہ برتا جائے۔ محافل کے اندر بھی سید حضرات کو خصوصی نشست پر بٹھایا جاتا تھا۔

آپ اس بات پر خدا کا شکر ادا کرتے نہ تھکتے تھے کہ اس نے پیر بھی وہ عطا کیے جو سادات میں سے تھے۔ بلکہ حسنی حسینی تھے اور یہ بات

آپ بڑے ہی سرور کے ساتھ بیان کیا کرتے تھے۔ یونہی پیرانِ پیر حضور سیدنا غوث اعظم شیخ سید عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے ساتھ آپ کو جو عقیدت و محبت تھی اس کا بیان ایک علیحدہ عنوان کا متقاضی ہے۔

محمد سجاول صاحب (کسراج) بیان کرتے ہیں کہ حضور کی غلامی میں آنے سے پہلے میں اہلِ تشیع تھا۔ تقریباً سات آٹھ سال سے زیادہ اہلِ تشیع رہا۔ پھر آپ کی بارگاہ میں گاہے بگاہے حاضری کی بدولت میں تائب ہوتا گیا اور بیعت بھی ہو گیا۔ تاہم رافضیت کے جراثیم کسی حد تک میرے اندر رہے۔ ان دنوں حضور جامع گلزارِ مدینہ میں درسِ قرآن دیا کرتے تھے۔ ایک دن میں حاضر ہوا۔ دل میں خیال پیدا ہوا کہ آپ اہلِ بیت علیہم الرضوان کی شان بیان کریں۔ اسی وقت آپ نے اہلِ بیتِ اطہار علیہم الرضوان پر گفتگو شروع فرما دی اور کچھ اس ادا اور تفصیل کے ساتھ کہ میرا دل خوب مطمئن ہو گیا اور رفض کے جراثیم مکمل طور پر میرے اندر سے نکل گئے۔

**ذکر ایک فتنے کا:** دورِ حاضر میں علماء و مشائخ کا ایک گروہ ایسا بھی ہے جو حُبِّ اہلِ بیت کے بہانے بعض اصحابِ رسول (مثلاً حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ، حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ وغیرھم) سے بغض رکھتا ہے اور ان پر غلط سے غلط الزام لگانے سے بھی نہیں ہچکچاتا (معاذ اللہ)۔ ان میں بعض وہ کم نظر 'پیر' بھی ہیں جو اپنی مخصوص محفلوں اور چیلوں میں اصحابِ ثلاثہ کی عظمت و شان کو دبانا اپنے خیال میں حُبِّ اہلِ بیت (رضی اللہ عنہم) کا ضروری تقاضا جانتے ہیں۔ ایسے مصنفین بھی ہیں جو تحقیق کے نام پر صحابہ کرام کے بارے میں شکوک و شبہات پھیلا رہے ہیں۔ یہ سب چھپے ہوئے رافضی ہیں۔ ان کے دھوکے سے بچنا اس لیے مشکل ہے کہ عموماً معمولاتِ اہلِ سنت پر عامل ہیں۔ یعنی گیارھویں، عرس، میلاد شریف وغیرہ مستحسن افعال بجالاتے ہیں۔ یہ لوگ ہر اس محدث، مجتہد، فقیہہ اور مجدّد کے خلاف ہیں جس نے اپنے اپنے وقت میں فتنۂ رفض کی خوب خبر لی۔ جیسے شاہ ولی اللہ محدثِ دہلوی، شاہ عبدالعزیز محدثِ دہلوی، حضور سیدنا مجدّد الف ثانی (رضی اللہ عنہم) وغیرھم۔ یہاں تک کہ اسی 'جرم' کی بنا پر اصح الکتاب بعد کتاب اللہ یعنی بخاری شریف کو غیر معتبر ثابت کرنے کے لیے اعتراضات کی بوچھاڑ کر دی۔ حضور قبلۂ عالم مفکرِ اسلام علیہ الرحمہ اس قسم کے 'باریک' فتنوں سے بھی بے خبر نہ تھے۔ شاہ ولی اللہ محدثِ دہلوی علیہ الرحمہ اور ان کے خانوادے کی اپنی دور کے فتنوں کی سرکوبی کے لیے خدمات کو اجاگر کرنے کے لیے اپنے تلمیذِ خاص اور حضور نقشۂ نقشِ لاثانی کے خلیفۂ مجاز صوفی محمد صدیق ضیاء صاحب دامت برکاتہٗ (انجینئر تربیلا ڈیم) سے 'شاہ ولی اللہ کے افکار و نظریات' لکھوائی جبکہ حضور سیدنا مجدّد الف ثانی علیہ الرحمہ کے ناقدین کو 'حضرت سیدنا مجدّد الف ثانی کی مجدّدیت و قیومیت' خود تحریر فرما کر منہ توڑ جواب دیا۔

امام شافعی علیہ الرحمہ کا یہ قیمتی شعر کئی بار آپ سے سنا گیا:

لَوْ كَانَ رِفْضًا حُبُّ اٰلِ مُحَمَّدٍ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم) فَلْيَشْهَدِ الثَّقَلَانِ اِنِّيْ رَافِضٌ

ترجمہ: اگر آلِ رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی محبت کا نام رفض ہے تو جن و انس گواہ رہیں میں بھی رافضی ہوں۔

حضور شاہِ لاثانی علیہ الرحمہ کا یہ قول بھی آپ نے متعدد بار ارشاد فرمایا: ''اگر حُبِّ اہلِ بیت رضی اللہ عنہم کا نام شیعیت ہے تو میں بھی شیعہ ہوں اور اگر صحابۂ کرام علیہم الرّضوان کی گستاخی کا نام شیعیت ہے تو میری توبہ، ہزار بار توبہ''۔ حضور شاہِ لاثانی گوشِ مبارک پر دستِ مبارک

رکھ کر اپنی بریت کا بار بار اظہار فرماتے تھے۔

صحابہ کرام میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا معاملہ ایسا ہے جس میں آج کل کے نام نہاد مؤرخ و محقق نکتہ چینی کرتے ہیں۔ جبکہ ہمارے حضور کا اس بارے میں عقیدہ وہی تھا جو حضرت شیخ مجدّد رضی اللہ عنہ کا۔ شیخ مجدّد رضی اللہ عنہ نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی امامت وعدالت پر زور دیا ہے۔ یعنی جب نواسۂ رسول حضرت سیدنا امام حسن رضی اللہ عنہ سے ان کی صلح ہوگئی تو اب آپ کی امامت وعدالت شک وشبہ سے بالاتر ہوگئی۔ مکتوباتِ حضرتِ مجدّد سے چند سطور [1] ملاحظہ کیجئے:

''دراحادیثِ نبوی باسناد ثقات آمدہ کہ حضرت پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام درحقِ معاویہ دعا کردہ اند اَللّٰھُمَّ عَلِّمْہُ الْکِتَابَ وَالْحِسَابَ وَقِہِ الْعَذَابَ وجائے دیگر دعا فرمودہ اند اَللّٰھُمَّ اجْعَلْہُ ھَادِیاً مَھْدِیاً ودعائے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مقبول''۔ (م۔۲۵۱/دفتر ۱)

ترجمہ: احادیثِ نبوی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام میں معتبر راویوں کی سند سے وارد ہو چکا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت معاویہ کے حق میں یوں دعا فرمائی، ''اے اللہ! انہیں کتاب وحساب کا علم عطا فرما اور عذاب سے بچا، اور دوسرے مقام پر یوں دعا فرمائی، 'اے اللہ! اسے ہادی اور ہدایت یافتہ بنا'۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعا ضرور مقبول ہے''۔

حضور نے مولانا مودودی کے خلاف مضامین لکھے تو اس کی وجہ بھی یہی تھی کہ موصوف نے اپنی کتاب 'خلافت وملوکیت' اور دیگر میں سیدنا عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ، سیدنا عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ بلکہ جمیع صحابہ کی عزت وعظمت پر رکیک حملے کیے ہیں۔ بہرحال حضور صحابہ کرام علیہم الرضوان کے معاملے میں بہت حسّاس تھے۔ چنانچہ ایک نہایت ممتاز آستانے کے ایک 'پیر' صاحب (جن سے آپ کا گہرا تعلق تھا) نے جب سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور بعد ازاں سیدنا عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور سیدنا عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حوالے سے دریدہ دہنی سے کام لیا، تو اوّلاً آپ نے ان سے بالمشافہ مل کر انہیں سمجھانے کی بھرپور کوشش کی۔ جب کوئی نتیجہ نہ نکلا تو تاحیات ان سے کنارہ کشی اختیار کی۔ اب ان صاحب نے جابجا آپ کے خلاف تقریریں شروع کر دیں۔ آپ نے اپنی ذاتِ اقدس پر حملوں کی کوئی پروا نہ کی البتہ ان کے 'مارگزیدہ' علاقوں میں جا کر فضائلِ صحابہ علیہم الرضوان سنانے کے لیے محافل کا انعقاد کرواتے رہے اور ان کے 'سحرِ خطابت' سے مسحور کوئی شخص آپ کو ملتا تو قرآن وحدیث سے صحابہ کے مقام ومرتبہ کو اجاگر کرتے۔

---

[1] ۔ ہمارے حضور جب عقائد پر گفتگو فرماتے تھے، قرآن وحدیث سے حوالہ جات کے علاوہ اکثر حضرت شیخ مجدّد رضی اللہ عنہ کے ملفوظات سے بھی کوئی شہ پارہ پیش فرماتے۔ اس کی تربیت (اور یہ محبت) آپ کو اپنے پیر خانے سے ملی تھی۔ چنانچہ ایک بار جب آپ نے کتاب 'مسلکِ امامِ ربانی' خدمتِ شیخ حضور نقشِ لاثانی میں پیش کی تو شیخِ کریم نے بالخصوص وہ باب پڑھوا کر سنا جس میں حضرت امامِ ربانی سیدنا مجدّد الفِ ثانی علیہ الرحمہ کی حضرت سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے عقیدت ومحبت کا ذکر تھا۔ حضور نقشِ لاثانی علیہ الرحمہ نے (شیخ مجدد کے ارشادات سن کر) فرمایا: ''دیکھا! حضرت امیر معاویہ اور دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بارے میں عقیدہ وہی ہونا چاہیے جو حضرت مجدد صاحب علیہ الرحمہ نے ارشاد فرمایا ہے، لوگ نہ جانے کیا کیا باتیں کرتے ہیں''۔

المختصر! اہلِ بیتِ اطہار علیہم الرضوان اور صحابہ کرام علیہم الرضوان کے بارے میں حضور مفکرِ اسلام قدس سرہ کا عقیدہ وہی تھا جو اکابر اہلِ سنت مثلاً حضور سیدنا مجدّد الف ثانی کا تھا۔ آپ ایسی مؤثر روایات کا بیان کیا جانا پسند فرماتے تھے جن میں اہلِ بیتِ اطہار رضی اللہ عنہم اور صحابہ کرام علیہم الرضوان کی باہمی محبت والفت کا بیان ہو یا جن میں ایک دوسرے کی شان وعظمت کا اعتراف ہو۔ چنانچہ یکم محرم کو جو شہادتِ سیدنا عمرِ فاروق رضی اللہ عنہ کا دن ہے، خصوصیت کے ساتھ سیدنا عمرِ فاروق رضی اللہ عنہ اور باقی خلفا کی اہلِ بیت علیہم الرضوان سے اور اہلِ بیت علیہم الرضوان کی سیدنا عمرِ فاروق رضی اللہ عنہ اور دیگر خلفاءِ راشدین کے ساتھ جو محبت تھی، اسے بیان کیا جاتا تو حضور نہایت محظوظ ہوتے اور داد دیا کرتے تھے اور خود بھی ایسی روایات سنایا کرتے تھے۔ آپ اہل بیت کے تمام افراد کی محبت والفت کو سرمایۂ نجات قرار دیتے تھے اور اس میں بھی حسبِ عادت حضرت شیخ مجدد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ایک فرمان کا حوالہ دیا کرتے تھے۔ حضرتِ شیخ فرماتے ہیں:

''اس فقیر کے والد جو ظاہری وباطنی علوم کے عالم تھے، اکثر اوقات اہلِ بیت کی محبت کی ترغیب دیتے رہتے تھے اور فرمایا کرتے تھے کہ اس محبت کو سلامتیٔ خاتمہ میں بڑا دخل ہے، اس کا خاص خیال رکھنا چاہئے۔ یہ فقیر آپ کے وصال کے وقت حاضرِ خدمت تھا۔ جب والدِ ماجد کا آخری وقت آیا اور اس عالمِ دنیا کا شعور کم رہ گیا تو فقیر نے محبتِ اہلِ بیت کی یاد دلائی اور اس کے متعلق پوچھا تو (بیخودی میں) فرمایا، میں اہلِ بیتِ عظام کی محبت میں مستغرق ہوں، اہلِ بیت کی محبت اہلِ سنت کا سرمایہ ہے۔'' ........(مکتوب ۳۶، دفتر دوم)

حقیقت یہ ہے کہ آپ اپنے دَور کے تمام فتنوں سے باخبر اور ایک بیدار مغز شخصیت تھے اور یہ آپ کی حکیمانہ تبلیغ کا نتیجہ تھا کہ اَن گنت بدعقیدہ لوگ اپنی بدعقیدگی سے تائب ہو کر اہلِ حق اہلِ سنت میں شامل ہوئے۔ آپ کے تربیت یافتہ مبلغین کی وساطت سے یہ سلسلہ ہنوز جاری ہے۔

فتنہ پرور اور گستاخ فکر کے حاملین کو ہر دور میں آپ سے عناد رہا اور نقصان پہنچانے کا کوئی موقع ہاتھ سے نہ جانے دیا۔ تاہم آپ نے ان کی رتی بھر پروا نہ کی اور تا حیات جملہ اہلِ بیت کی محبت کی خوشبو سے ایک جہاں کو معطر کرتے رہے۔

☆......☆......☆......☆......☆......☆......☆......☆

# حسینیت زندہ باد

حضور مفکر اسلام پروفیسر محمد حسین آسی قدس سرہ الہادی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

شاہ است حسین بادشاہ است حسین

دین است حسین دین پناہ است حسین

سر داد نداد دست در دست یزید

حقا کہ بنائے لا الہ است حسین

(حضرت خواجہ غریب نواز اجمیری قدس سرہٗ)

(حضرت امام حسین علیٰ جدہٖ وعلیہ السلام اہل محبت کے بادشاہ اور اہل شہادت کے تاجدار ہیں۔ آپ کی سیرت مقدسہ دین کی تفسیر اور آپ کی ذات پاک دین کیلئے پناہ گاہ کی حیثیت رکھتی ہے۔ کربلا کے میدان میں آپ نے سر تو دے دیا مگر یزید کے ہاتھ میں ہاتھ دے کر اس کی بیعت نہ کی۔ حق یہ ہے کہ توحید کا یہ عملی تقاضا تھا جو نواسۂ رسول علی جدہٖ وعلیہ السلام نے کربلا کے میدان میں پورا کر دیا)۔

یہ چار مصرعوں کا نذرانۂ عقیدت ہے جو لاکھوں مشرکوں کو توحید آشنا کرنے والے ہزاروں مشائخ کے پیر سلطان الہند خواجہ معین الدین چشتی اجمیری قدس سرہ العزیز نے نورِ نورِ الہٰ، شیرِ شیرِ خدا اور خیرِ خیر النسا شہزادۂ گلگوں قبا حضرت سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہٗ کی بارہ گاہ میں پیش کیا ہے۔ (علیٰ جدہٖ و ابویہ و اخیہ وعلیہ و بارک وسلم) آپ کی بے مثال قربانی پر اسلام اور اہل اسلام جتنا ناز کریں کم ہے کہاں مدینہ منورہ کی سکون بخش بہاریں، اور کہاں مکہ معظّمہ کی لاہوتی فضائیں اور کہاں دشت نینوا کی ریت اور جھلسا دینے والی ہوائیں۔ نہ کوئی مصلحت آپ کے آڑے آئی، نہ کسی کے رعب یا لالچ نے آپ کے پائے استقلال میں ڈگمگاہٹ پیدا کی۔ یہ عجیب اتفاق ہے کہ رجب کی ستائیسویں رات تھی جب حضور سرور کون و مکاں، مالک چنین و چناں حضور احمد مجتبیٰ، محمد مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثنا، مکہ معظّمہ سے اپنے رب کے دیدار کیلئے لامکاں کی طرف سفر معراج پر روانہ ہوئے تھے اور پھر یہی رات تھی جب حبیب خدا شہ دوسرا نبی اعظم اور رسول معظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نواسہ رضی اللہ عنہٗ مدینہ منورہ سے حالات کو پر سکون دیکھنے کی تمنا میں مکہ معظّمہ کی طرف عازم سفر ہوا۔ یہ بھی عجیب اتفاق ہے کہ ذوالحجہ کو جب حجاج قربانی کے جانور لے کر مکہ معظّمہ سے منیٰ مقدسہ کی طرف نکلتے ہیں۔ ملت اسلامیہ کا شہید اعظم علی اکبر، علی اصغر، عون و محمد (رضی اللہ عنہم) کو ساتھ لے کر میدان کربلا کی طرف روانہ ہوا۔ حضرت حکیم الامت علامہ اقبال فرماتے ہیں

سرِ ابراھیم و اسمٰعیل بود

یعنی آں اجمال را تفصیل بود!

مقصد یہ کہ ابراہیم علیہ السلام منیٰ کی طرف اپنے لخت جگر کو قربان کرنے کیلئے جا رہے تھے اور ان کے لخت جگر حضرت اسمٰعیل علیہ السلام قربان ہونے کیلئے جا رہے تھے مگر شہسوار کربلا (رضی اللہ عنہٗ) کی طرف دیکھئے خود حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی طرح قربان ہونے کیلئے

جا رہے ہیں اور بیٹوں، بھائیوں اور بھتیجوں اور دوسرے جانثاروں کو قربان کرنے کیلئے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرح جا رہے ہیں۔ خوب فرمایا حضرت اقبال نے:

**غریب و سادہ و رنگیں ھے داستان حرم**

**نہایت اس کی حسین، ابتدا ھے اسمٰعیل**

یقیناً معرکہ کربلا حق و باطل کی جنگ تھی۔ حق کی پاسبانی کا فریضہ رسول حق صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نورِ نظر اور اس کے ساتھی سر انجام دے رہے تھے اور باطل کی علمبرداری یزید ابن زیاد، ابن سعد، شمر اور خولی جیسے ملعون کر رہے تھے۔ بعض لوگوں نے جو اہل بیت اطہار رضی اللہ عنہم سے خواہ مخواہ کا بغض رکھتے ہیں۔ اسے اقتدار کی جنگ قرار دینے پر زور دیا ہے۔ مگر ہر باشعور اور غیر جانبدار انسان اگر چہ وہ مسلمان بھی نہ ہو، جب واقعۂ کربلا پر غور کرتا ہے تو اسے تاریخ انسانیت کی بے مثال قربانی قرار دیتا ہے، اور سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کو اسلام کی حقانیت کی دلیل گردانتا ہے۔ حق یہ ہے اسلام ہی نے انسانیت کی پاسبانی کی اور سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ کی بے مثل قربانی اسلام ہی کیلئے نہیں ساری انسانیت کے لئے باعث فکر اور سرمایۂ ناز ہے۔ اسی لئے وہ لوگ جو اگر چہ مسلمان نہیں مگر پھر بھی تاریخ کے مطالعے نے ان کے فکر و نظر میں وسعت پیدا کر دی ہے، سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہٗ کی بارگاہ میں دل کھول کر نذرانہ عقیدت پیش کیا ہے۔

مسٹر جے آر۔ رابنس (ایک عیسائی مفکر) لکھتا ہے:

"میری زندگی کا بیشتر حصہ تاریخ کے مطالعے میں گزرا ہے مگر جو کشش اور مظلومیت مجھے تاریخ اسلام کے اس باب میں نظر آئی جو حسین اور کربلا سے متعلق ہے، وہ کہیں نہیں دیکھی۔ مسلمانوں کے پاک نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے وصال کے بعد ان کے نواسے نے جو عظیم الشان کارنامہ سرانجام دیا وہ اسلامی تعلیم کی صداقت اور حسین کی عظمت کی بہت بڑی دلیل ہے.................. انھوں نے جو کچھ کیا، خدا کیلئے کیا، تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ ان سے پہلے اور ان کے بعد اب تک شہیدوں میں کوئی ان کے ہم پلہ نہیں گزرا"۔

کیپٹن ایل۔ ایچ نیلٹ فرماتے ہیں

"حسین نے جام شہادت پی کر اسلام کو صفحۂ ہستی سے محو ہونے سے بچالیا"......................شب عاشورہ آپ نے تمام انصار و رفقاء کو جمع کیا اور نہایت پر درد لہجے میں ایک طولانی تقریر فرمائی جس میں بعد از پند و نصیحت آپ نے فرمایا کہ سخت سے سخت مصیبت کا سامنا ہے میں تم سب کو متنبہ کر دیتا ہوں بعد ختم تقریر آپ نے وہ کام کیا جس کی نظیر صفحۂ عالم میں ملنا ناممکن ہے اور جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ آپ کو انسانی کمزرویوں کا کس قدر احساس تھا اور کس درجہ آپ سخی اور رقیق القلب تھے۔ جذبۂ ایثار آپ میں کس حد تک موجود تھا۔ آپ نے فرمایا خیموں کے تمام چراغ گل کر دیئے جائیں اور جس کا جی چاہے وہ اس دروازے سے چلا جائے میں نے اپنی بیعت تم سے اٹھائی ہے۔ دوسرے دن جب سپیدۂ سحر آسمان پر ہویدا ہوا تو سب کے سب بہتر ۷۲ جانثار جام شہادت پینے پر کمر بستہ نظر آئے"۔

مسٹر جے۔ اے یسمین سابق آنریری سیکرٹری انڈین کرسچین ایسوسی ایشن و سابق سپیشل مجسٹریٹ آگرہ کا بیان سنئے:

''حسین کی قربانی قوموں کی بقا اور جہاد آزادی کیلئے ایک ایسی مشعل ہے جو ابدالآباد تک روشن رہے گی۔ حسین کی شہادت شکست نہیں بلکہ اسلام کی نہ مٹنے والی فتح ہے۔ اسلام اس گراں قدر قربانی پر فخر کرتا ہے اور کرتا رہے گا۔ خوش بخت ہے وہ قوم جس میں حسین ایسا جانباز مجاہد پیدا ہوا''۔

**کر دیا خون شہادت سے زمیں کو لالہ رنگ**
**یوں ہی ملتی آئی ہیں اسلام کی آزادیاں**

بابو پرشوتم داس ٹنڈن سابق سپیکر یوپی اسمبلی (ہندو) فرماتے ہیں

''اتنی بلند قربانی نے جیسی کہ امام حسین نے پیش کی ہے۔ انسانیت کو حد درجہ بلند کر دیا ہے۔ ان کی یادگار منانے اور قائم رکھنے کے قابل ہے''۔

فراق گورکھپوری (مشہور ہندو شاعر) کا نذرانہ عقیدت

**کیا صرف مسلمان کے پیارے حسین**
**چرخِ نوع بشر کے تارے ہیں حسین**
**انسان کو بیدار تو ہو لینے دو!**
**ہر قوم پکارے گی ہمارے ہیں حسین**

پنڈت گوپی ناتھ امن دہلوی کا نقطہ نظر

''اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ شکست کس کی ہوئی۔ اسے دو فقروں میں کہا جا سکتا ہے کہ حسین کے جسم کی اور یزید کے ارادوں کی۔ ظاہر بین اسے حسین کی شکست کہیں تو کہیں، چشم حق بین اسے حسین کی فتح کہے گی''۔

حسین ابن علی کو سلام.......... جو دلیر ہو کر بھی منکسر المزاج تھا

حسین ابن علی کو سلام.......... جس نے اسلام کو داخلی خطروں سے بچالیا

حسین ابن علی کو سلام.......... جس نے اپنی جان دے کر انسانیت کا پیغام دنیا کو دیا۔

ڈاکٹر رادھا کمار مکرجی صدر شعبہ تاریخ لکھنو یونیورسٹی کا فیصلہ

''امام حسین حق کا غیبی شعلہ بن کر چمکے، جس میں نور ہی نور تھا، پھیلاؤ اور حرارت بھی۔ ان کی شجاعت کی حرارت نے ان کے دشمنوں کو جلا جلا کر خاک کر دیا۔ ان کی بے مثال شخصیت کا نور آج بھی خیال کی دنیا روشن کئے ہوئے ہے''۔..........

اصولوں کی پیروی میں ایسی زبردست قربانی تاریخ میں اپنا جواب نہیں رکھتی۔ امام حسین رضی اللہ عنہ انسانیت کے ایک بڑے ہیرو ہیں۔

پروفیسر بشمر ناتھ سکسینہ ایم اے (سندھ)

''کاش میرے ہندو بھائی غور کریں اور دیکھیں کہ وہ مذہب کیسے باطل ہو سکتا ہے۔ جس کے پرستاروں میں یہ روح کار

فرما ہے کہ اپنی جان دے کر اپنے مذہب کی صداقت ثابت کرتے ہیں اور جس کے معمولی پیرو ہی نہیں بلکہ اس کے اکابر، بانی مذہب کے نواسے اور دوسرے رشتہ دار تک وقت آنے پر قربانی سے دریغ نہیں کرتے''۔

پنڈت چندر کا پرشاد جگیاسو:

ایک ایسا انمول ہیرا ہے جسے جس پہلو سے دیکھو بے عیب و بیش قیمت ہے۔ حسین وہ خوشنما گلاب ہے جس کا ہر جزو اپنی خوبصورتی اور خوشبو سے دل کو کھینچ لیتا ہے۔ حسین ایک ایسا کھرا سونا ہے جسے جتنا پرکھا جائے خوش رنگ نکلتا آئے گا۔ حسین وہ روز روشن آفتاب ہے جس میں ہر رنگ موجود ہے۔

دستور کیخسر و مہیار کنور (پیشوائے اعظم فرقہ پارسی):

اگر شہید اعظم حسین کی قربانیاں نہ ہوتیں تو دنیا اخلاق مذہب صداقت سے نا آشنا رہتی۔ دنیا شہداء کی ممنون ہے جنھوں نے موت کو ذلت پہ ترجیح دی۔ امام حسین ان شہداء کے سردار ہیں جنھوں نے انسانیت کی خدمت کیلئے جان دی۔

کنور مہندر سنگھ بیدی سحر دہلوی نے تاجدار کربلا کی بارگاہ میں نذرانہ عقیدت پیش کرتے ہوئے ایک خوبصورت و طویل نظم لکھی ہے۔ ہم اس کے صرف دو بند ہدیہ قارئین کرتے ہیں۔

گلشن صدق و صفا کا لالہ رنگیں حسین
شمع عالم، مشعل دنیا چراغ دیں حسین
سر سے پا تک سرخیٔ افسانہ خونیں حسین
جس پہ شاہوں کی خوشی قربان وہ غمگیں حسین
مطلع نور مہ و پرویں ہے پیشانی تری
باج لیتی ہے ہر اک مذہب سے قربانی تری
بارش رحمت کا مژدہ، باب حکمت کی کلید
روزِ روشن کی بشارت، صبح رنگیں کی نوید
ہر نظام کہنہ کو پیغام آئین جدید!!
اے کہ ہے تیری شہادت اصل میں مرگِ یزید
تیری مظلومی نے ظالم کو کیا یوں بے نشاں
ڈھونڈتا پھرتا ہے اس کی ہڈیوں کو آسماں

جوش ملیح آبادی آوارہ مزاج، دہریہ انداز فکر کا حامل تھا، اس کے باوجود کہتا ہے۔

یہ صبح انقلاب کی جو ہر طرف ہے ضو
یہ مچل رہی ہے صبا، پھٹ رہی ہے پو
یہ جو چراغ ظلم کی تھرا رہی ہے لو

در پردہ یہ حسین کے انفاس کی ہے رو
یہ حق کے جو چھڑے ہوئے ہیں ساز دوستو
یہ جو بھی اسی جرس کی ہے آواز دوستو!

دیکھا آپ نے نواسۂ رسول جگر گوشہ بتول سیدنا امام پاک علیٰ جدہ وامہ وعلیہ السلام نے جو عظیم و بے مثل قربانی دی، خداوند کریم اس کا بول بالا کس طرح کر رہا ہے اور غیر بھی اسے کس کس انداز میں حقانیت اسلام کی ایک عظیم دلیل قرار دے رہے ہیں۔ ہم نے یہاں جان بوجھ کر حضرت خواجہ غریب نواز قدس سرہ کے سوا کسی مسلمان بزرگ یا محدث یا شاعر کا حوالہ نہیں دیا، ایک تو خواجہ کی بات سب کی بات ہے، دوسرے اس لئے کہ عربی کہاوت ہے۔

"الفضل ما شهدت به الا عداء"

(بزرگی وہ ہے جس کی دشمن بھی گواہی دیں)

یقیناً یہ ہماری خوش بختی ہے کہ ایسی عظیم شخصیت کا تعلق ملت اسلامیہ سے ہے جس پر شہادت کو، اسلام کو بلکہ پوری ملت کو ناز ہے، نہیں، بلکہ امت کے والی حضور سرور دوسرا علیہ التحیۃ والثناء کو بلکہ ان کے رب جل جلالہٗ کو ناز ہے۔ ان کی قربانی اسلام کی حفاظت کیلئے تھی۔ سو وہ محفوظ ہو گیا بلکہ مضبوط ہو گیا، تیرہ چودہ صدیاں گزرنے کے باوجود اپنے بیگانے جب اس شہادت عظمیٰ کو اسلام کی صداقت کی دلیل ٹھہرا رہے ہیں تو اس سے زیادہ کسی قربانی کا مقصد کیا ہو سکتا ہے۔ مگر افسوس! ایک اعتبار سے ہم بدقسمت بھی ہیں کہ ہم نے اس کی کوئی قدر نہیں کی، اس میں کیا شک ہے کہ یزیدی فوج کی آنکھیں حرص وہوس نے بند کر رکھی تھیں اور اپنی آنکھوں سے دیکھتے ہوئے بھی کہ جس نبی اکرم واُکم و اعظم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا کلمہ پڑھتے ہیں، اسی کے نور، اسی کی شبیہ، اسی کی جان پر تیغ وخنجر کے وار کر رہے ہیں۔

| | |
|---|---|
| ایک طرف ایمان ہے، | دوسری طرف کفر، |
| ایک طرف کلمہ ہے | دوسری طرف الحاد |
| ایک طرف جنت ہے | دوسری طرف دوزخ |

یہ سب کچھ جانتے ہوئے بھی وہ امام پاک اور ان کے ساتھیوں کو تہ تیغ کرنا چاہتے ہیں اور پھر کر بھی دیا تو یقیناً انھوں نے گھاٹے کا سودا کیا اور اس کا انجام سوا دو جہان کی لعنت ورسوائی کے کیا ہو سکتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ کربلا ایک آئینہ ہے جس میں ہم بڑی آسانی سے اپنا افکار وکردار کی شکل بھی دیکھ سکتے ہیں۔ مثلاً ہم اگر اسلام کی حفاظت کیلئے تن، من، دھن کی قربانی کے لئے سچ مچ تیار ہیں تو حضور سیدنا امام پاک علیہ السلام کے سچے غلام ہیں۔

سنئے قرآن پاک کی وعید:

"ان الذين يحبون ان تشيع الفا حشة فى الذين امنو الهم عذاب اليم فى ا لد نيا والاخرة ط والله يعلم وانتم لا تعلمو ن ٥(النور......١٨)

ترجمہ: بے شک جو لوگ یہ پسند کرتے ہیں کہ پھیلے بے حیائی ان لوگوں میں جو ایمان لائے ہیں (تو) ان کیلئے دردناک عذاب ہے، دنیا اور آخرت میں، اور اللہ تعالیٰ (حقیقت کو) جانتا ہے اور تم نہیں جانتے ہو۔ (ضیاء القرآن)

# سانحۂ کربلا

**شیخ الحدیث والتفسیر غلام رسول قاسمی**

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سیدنا امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تمام خلفاء راشدین کے دور میں حتی کہ حضرت سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے تک کسی حکومت کے خلاف تلوار نہیں اٹھائی بلکہ اطاعت گزاری کو اختیار کیے رکھا۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دور حکومت میں سیدنا امام حسن اور سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہما دونوں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس شام میں آیا جایا کرتے تھے اور حضرت امیر معاویہ ان دونوں شہزادوں کا بہت احترام فرماتے تھے۔ ان کی خدمت میں بہت سے عطیات اور وظائف پیش کرتے تھے اور دونوں شہزادے انہیں بخوشی قبول فرماتے تھے (البدایہ والنہایہ جلد ۸ صفحہ ۱۵۸)

حضرت داتا صاحب علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ ایک دن حضرت سیدنا امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس ایک غریب آدمی نے آکر خیرات مانگی۔ آپ نے فرمایا بیٹھ جاؤ ہمارا وظیفہ آنے والا ہے، جیسے ہی وظیفہ پہنچ جائے گا آپ کو دے دیا جائے گا۔ تھوڑی دیر میں حضرت امیر معاویہ کی طرف سے ایک ایک ہزار دینار کی پانچ تھیلیاں پیش کی گئیں۔ تھیلیاں پہنچانے والوں نے عرض کیا کہ حضرت امیر معاویہ نے معذرت کی ہے کہ یہ تھوڑی سی رقم ہے اسے قبول فرمائیں۔ سیدنا امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ساری رقم اس غریب آدمی کے حوالے کر دی اور اس سے معذرت چاہی (کشف المحجوب صفحہ ۷۷)۔

**حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یزید کو اپنا ولی عہد مقرر کیا تھا یا نہیں؟**: اس کے بارے میں دو قول موجود ہیں۔ پہلا قول یہ ہے کہ آپ نے اسے ولی عہد مقرر نہیں کیا بلکہ اس نے خود بخود حکومت سنبھال لی تھی۔ یہ بات علامہ ابوالشکور سالمی رحمۃ اللہ علیہ (متوفی پانچویں صدی) نے اپنی مایہ ناز کتاب التمہید کے صفحہ ۱۲۹ پر بیان فرمائی ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ یزید کو ولی عہد مقرر کرنے کے لیے حضرت امیر معاویہ نے مختلف اکابر سے مشورہ لیا تھا۔ کچھ لوگ اس تجویز سے متفق ہو گئے جبکہ حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکر، حضرت عبداللہ ابن عباس، حضرت عبداللہ بن عمر، حضرت عبداللہ بن زبیر اور حضرت امام حسین رضی اللہ عنہم اس بات سے متفق نہیں تھے۔ یہ سب باتیں شیعہ کی کتاب تاریخ یعقوبی جلد ۲ صفحہ ۲۲۹ پر اور اہل سنت کی کتاب البدایہ والنہایہ جلد ۸ صفحہ ۱۵۸ پر درج ہیں۔

نیز مؤرخین نے لکھا ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یزید سے کہا تھا کہ امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ اچھا رویہ اختیار رکھنا فصل رحمه و ارفق به (البدایہ والنہایہ جلد ۸ صفحہ ۱۶۹ اور شیعہ کی کتاب جلاء العیون صفحہ ۳۸۸ فصل دوازدہم)۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک باپ ہونے کی حیثیت سے یزید کے کرتوتوں سے آگاہ نہیں تھے۔ اور اگر کوئی چھوٹی موٹی خرابی آپ کے علم میں تھی بھی تو آپ نے یہ سوچ کر یزید کو اپنا ولی عہد مقرر کر دیا کہ جب ذمہ داری سر پر آئے گی تو انسان بن جائے گا۔ مگر یزید نے ان کی امیدوں پر پانی پھیر دیا۔

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے میں ہی عراق کے شیعہ لوگوں نے سیدنا امام حسین کو حضرت امیر معاویہ کے خلاف اکسایا تھا مگر آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے شیعوں کی اس بات کو قبول نہ فرمایا اور صبر سے کام لینے کا حکم دیا: ایشان را مجاب ننمود و

بصبر امر کرد (شیعہ کی اپنی کتاب جلاء العیون صفحہ ۳۴۸)۔یہی بات شیعہ کے مشہور عالم شیخ مفید نے اپنی کتاب الارشاد کے صفحہ ۱۸۲ پرعربی زبان میں لکھی ہے فاتبع علیھم وذکر ان بینه و بین معاویۃعھداوعقدالایجوزله نقضه حتی تقضی المدة (الارشاد۱۸۲)۔غور فرمایئے آخر کیا بات ہے کہ سن ۶۰ ہجری تک سیدنا امام حسین نے تمام خلفاء علیہ الرضوان کی تابعداری کو قبول کیا مگر جب یزید کی باری آئی تو آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تلوار کھینچ لی؟

حضرت داتا گنج بخش سید علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ اپنی مایہ ناز کتاب کشف المحجوب میں فرماتے ہیں کہ تا حق ظاھر بود مرحق مرا متابع بود و چون حق مفقود شد شمشیر بر کشید یعنی جب تک حق ظاہر تھا امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ حق کے تابع رہے۔مگر یزید کے دور میں حق رخصت ہو گیا تو آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تلوار کھینچ لی (کشف المحجوب صفحہ ۷۶)۔

سیدنا امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا عمل اس بات کا زندہ ثبوت ہے کہ چاروں خلفاء راشدین اور حضرت امیر معاویہ میں سے ہر ایک کے ساتھ امام عالی مقام متفق تھے اس لیے ان کے تابع رہے اوران سے وظیفہ بھی قبول فرماتے رہے۔مگر یزید سے متفق نہ تھے اس لیے اس کے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے۔

**کوفیوں کی طرف سے خطوط:** کوفہ کے شیعوں نے حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں بے شمار خط لکھے اور عرض کیا کہ آپ کوفہ میں تشریف لائیں آپ ہی ہمارے امیر ہیں۔ہم نے یہاں کے حکمرانوں کی اطاعت چھوڑ رکھی ہے اور کوفہ کے والی نعمان بن بشیر کے پیچھے جمعہ تک ادا نہیں کرتے (الاصابہ جلد ۱ صفحہ ۳۳۲ تحت حسین بن علی،شیعہ کی کتاب جلائالعیون صفحہ ۳۵۶)۔فبعث اھل العراق الی الحسین الرسل والکتب یدعونه الیھم (البدایہ والنہای جلد ۸ صفحہ ۱۶۵)۔جلاء العیون میں واضح طور پر لکھا ہوا ہے کہ وسائر شیعان او ازمومنان ومسلمانان اہل کوفہ یعنی یہ خط کوفہ کے تمام حسینی شیعوں کی طرف سے ہے (جلاء العیون صفحہ ۳۵۶)۔

یزید نے حکومت سنبھالتے ہی اہل مدینہ سے بیعت کا مطالبہ کیا۔خصوصاً سیدنا امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور سیدنا صدیق اکبر کے نواسے حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بیعت لینے پر زیادہ زور دیا تاکہ ان دونوں معتبر ہستیوں کے بیعت کر لینے کے بعد باقی اہل مدینہ کے لیے بیعت کا راستہ آسان ہو جائے۔مگر ان دونوں مقدس ہستیوں نے بیعت نہ کی بلکہ راتوں رات مدینہ طیبہ سے نکل کر مکہ شریف چلے گئے۔فبعث الی الحسین و ابن الزبیر فی اللیل و دعاھما الی بیعة یزید فقالا نصبح و ننظر فیما یعمل الناس و وثبافخرجا (سیر اعلام النبلاء للذہبی جلد ۳ صفحہ ۱۹۸)۔

**صحابہ کرام علیہم الرضوان سے مشورہ:** کوفہ کے شیعوں کی طرف سے بے تحاشا خطوط آنے کے بعد امام عالی مقام سیدنا حسین جیسی ذمہ دار ہستی کے پاس لبیک کہنے کے سوا کوئی چارہ نہ تھا۔مگر پھر بھی آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے صحابہ کرام اور اکابر امت علیہم الرضوان سے مشورہ فرمایا اور انہیں کوفیوں کے خطوط کے انبار دکھائے۔اس کے باوجود صحابہ کرام علیہم الرضوان بلکہ بعض اہل بیت اطہار نے بھی آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو کوفہ جانے سے منع فرمایا۔منع کرنے والوں میں حضرت عبداللہ بن عمر،حضرت عبداللہ بن عباس،امام عالی مقام کے بھائی حضرت محمد بن حنفیہ،حضرت جابر،حضرت ابوسعید اور حضرت ابوبکر بن عبدالرحمٰن بن حارث علیہم الرضوان جیسی ہستیاں شامل تھیں۔ان بزرگوں کے بیانات سیر اعلام النبلاء جلد ۲ صفحہ ۱۷۹،البدایہ والنہایہ جلد ۸ صفحہ ۱۷۲ اور المصنف لابن ابی شیبہ جلد ۱۵ صفحہ ۹۶،۹۷ وغیرہ پر موجود ہیں۔مثلاً نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے سگے چچازاد بھائی اور سیدنا امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے چچا حضرت عبداللہ بن عباس کا بھی فرمان ملاحظہ فرمایئے۔آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:

**جاء نی حسین یستشیرنی فی الخروج الی ماھھنا یعنی العراق فقلت لولا ان یزروابی و بک لشبثت یدی فی شعرک. الی این تخرج؟ الی قوم قتلوا اباک و طعنوا اخاکہ؟**

یعنی میرے پاس حسین آئے اور عراق جانے کے بارے میں مجھ سے مشورہ لیا۔ میں نے کہا کہ میرا بس چلے تو میں آپ کو سر کے بالوں سے پکڑ کر عراق جانے سے روک دوں۔ آپ کہاں جانا چاہتے ہیں؟ اس قوم کی طرف جس نے آپ کے والد ماجد کو شہید کیا اور بھائی کو نا حق مارا؟ (المصنف جلد ۱۵ صفحہ ۹۶، ۹۷، البدایہ والنہایہ جلد ۸ صفحہ ۱۶۶)۔

سیدنا امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بھائی محمد بن حنفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مشورہ دیا کہ آپ کا عراق جانا درست نہیں مگر امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کا مشورہ قبول نہ فرمایا۔ اس کے بعد محمد بن حنفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی اولاد کو ساتھ جانے سے روک دیا جس کی وجہ سے سیدنا امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے بھائی محمد بن حنفیہ سے ناراض ہوئے (البدایہ والنہایہ جلد ۸ صفحہ ۱۷۲)۔

**شرعی مسائل:** ظالم حکمران کے خلاف کارروائی کرنا شرعاً فرض نہیں بلکہ حق واضح کرنے کے بعد اس سے جان چھڑا کر خاموش ہو جانے کی اجازت ہے۔ اس اجازت کو شریعت کی زبان میں رخصت کہا جاتا ہے۔ اس کے برعکس اگر کوئی بلند ہمت اور بلند رتبہ شخصیت ظالم حکمران کے خلاف ڈٹ جائے تو شریعت

اس بات کی بھی اجازت دیتی ہے۔ ظالموں کے خلاف ڈٹ جانے کی اس اجازت کو شریعت کی زبان میں عزیمت کہا جاتا ہے۔ عزیمت کا معنی ہے "مضبوط اور پختہ ارادہ"۔

صحابہ کرام علیہم الرضوان نے امام عالی مقام کو عراق جانے سے منع فرمایا۔ وہ رخصت پر عمل کرنے کو ترجیح دے رہے تھے۔ اس کے برعکس سیدنا امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عراق جانا پسند فرمایا۔ آپ اپنے مقام اور مرتبے کے لحاظ سے عزیمت کو ترجیح دے رہے تھے۔ دونوں طرف کے فیصلے میں کوئی عیب نہیں۔ یہی حق ہے اور وہ بھی حق ہے۔ اجتہادی مسائل میں اختلاف ہو جانا کوئی بڑی بات نہیں۔ شیعہ حضرات صحابہ کرام علیہم الرضوان پر تنقید کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ انہوں نے امام پاک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ساتھ کیوں نہ دیا؟ اس کے برعکس خارجی حضرات امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر تنقید کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ منع کرنے کے باوجود باز کیوں نہ آئے۔ الحمدللہ ہم نے ثابت کر دیا کہ شیعہ اور خارجی دونوں بے ادب اور گستاخ ہیں اور امام حسین اور صحابہ کرام علیہم الرضوان دونوں حق پر ہیں۔

دوسری بات یہ ہے کہ سیدنا امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو معلوم تھا کہ خواہ کوفہ جائیں یا مکہ شریف میں رہیں۔ جام شہادت نوش کرنا ہمارا مقدر ہے۔ مگر آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مکہ شریف میں شہید ہو کر یزید کو مکہ کی بے حرمتی کرنے کا موقع نہ دیا۔ بلکہ کوفہ کی طرف بڑھ کر شہادت کو گلے لگایا۔ چنانچہ علامہ ابن کثیر علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ امام پاک رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: **فقال لان اقتل بمکان کذا و کذا احب الی من ان اقتل بمکۃ و تستحل بی** یعنی میرا کسی دوسری جگہ پر قتل ہونا اس سے زیادہ بہتر ہے کہ میں مکہ میں قتل کیا جاؤں اور مکہ کی بے حرمتی ہو (البدایہ والنہایہ جلد ۸ صفحہ ۱۷۲)۔

تیسری بات یہ ہے کہ کوفہ کے شیعوں نے جس قدر خطوط لکھے تھے اگر سیدنا امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ اب بھی ظالم حکمران کے خلاف عوامی دعوت کو قبول نہ فرماتے تو کوفی لوگ قیامت کے دن امام پاک کے خلاف بیان بازی کر سکتے تھے۔ لہٰذا آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی ذمہ داری نبھانا ضروری سمجھا۔

چوتھی بات یہ ہے کہ مکمل سوچ بوجھ اور مشورے کے بعد جب آپ نے ایک عزم اور ارادہ کر لیا تو اپنے عزم پر ڈٹ گئے۔ اللہ پر توکل کرنے والوں کا یہی طریقہ ہوا کرتا ہے۔ اللہ کریم فرماتا ہے: **وشاورھم فی الامر فاذا عزمت فتوکل علی اللہ** یعنی ان سے

مشورہ کریں اور جب کوئی عزم
کرلیں تو اللہ پر توکل کرتے ہوئے ڈٹ جائیں۔(آل عمران:۱۵۹)۔

پانچویں بات یہ ہے کہ صحابہ کرام علیہم الرضوان کے مشورے کو آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مکمل طور پر نہیں پھینکا بلکہ پہلے احتیاطاً اپنے چچازاد بھائی حضرت مسلم بن عقیل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو کوفہ بھیجا تاکہ اگر کوفہ والے حضرت مسلم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بے وفائی کریں تو ان کا شرعی طور پر منہ بند ہوجائے اور اگر وفا کریں تو صحابہ کرام علیہم الرضوان کو مطمئن کیا جاسکے۔

**حضرت مسلم بن عقیل کی روانگی:** سیدنا امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کوفہ کے حالات کا جائزہ لے کر اطلاع دینے کے لیے اپنے چچازاد بھائی اور بہنوئی حضرت مسلم بن عقیل کو روانہ فرمایا۔ جب وہ کوفہ پہنچے تو تقریباً بارہ ہزار کوفیوں نے آپ کے ہاتھ مبارک پر بیعت کر لی (الاصابہ جلد ا صفحہ ۳۳۲)۔ آپ نے حالات سے مطمئن ہوکر سیدنا امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اطلاع دی کہ کوفہ کے حالات ہمارے لیے سازگار ہیں۔ آپ جلد تشریف لے آئیں۔ اس وقت کوفہ کے والی نعمان بن بشیر تھے۔ جب یہ اطلاع سیدنا امام حسین کو پہنچ گئی تو کوفہ میں حکومت کے حامیوں نے کوفہ کے والی تک حضرت مسلم بن عقیل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خلاف شکایت پہنچائی مگر کوفہ کے والی نعمان بن بشیر نے نرمی سے کام لیا اور حضرت مسلم کے خلاف کوئی کارروائی نہ کی۔ اس پر حکومت کے حامیوں نے یزید کو اس صورت حال سے آگاہ کر دیا۔ یزید نے فوراً نعمان بن بشیر کو برطرف کر دیا اور اس کی جگہ بصرہ کے والی عبیداللہ بن زیاد کو کوفہ کی ذمہ داری بھی سونپ دی۔

حضرت مسلم بن عقیل نے حضرت ہانی بن عروہ کے گھر میں قیام کر رکھا تھا۔ تمام کوفیوں نے حکومت کے خوف سے حضرت مسلم بن عقیل کا ساتھ چھوڑ دیا اور ابن زیاد نے حضرت مسلم اور ہانی بن عروہ رضی اللہ عنہما کو شہید کر دیا (طبقات ابن سعد جلد ۴ صفحہ ۲۹ تحت عقیل بن ابی طالب)۔ ادھر سیدنا امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اس واقعہ کی کوئی خبر نہ تھی۔

**سیدنا امام حسین علیہ السلام کی روانگی:** حالات کو سازگار سمجھتے ہوئے حضرت سیدنا امام حسین تقریباً اسی (۸۰) افراد کا قافلہ لے کر کوفہ کی طرف روانہ ہوئے۔ یہ واقعہ ۳ ذوالحج سنہ ۶۰ ھ کا ہے۔ ادھر اسی روز حضرت مسلم بن عقیل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو شہید کر دیا گیا تھا۔ کوفہ جاتے وقت راستے میں امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حضرت مسلم بن عقیل کی شہادت کی افسوسناک خبر ملی۔ اسی راستے میں مختلف لوگوں سے ملاقات بھی ہوئی۔ ان میں بشیر بن غالب، عبیداللہ بن مطیع اور اہل بیت کے مداح اور مشہور شاعر فرزدق خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ ان سب نے سیدنا امام حسین کو آگے جانے سے منع فرمایا۔ فرزدق نے کہا کہ کوفہ والوں کے دل آپ کے ساتھ ہیں مگر ان کی تلواریں یزید کے ساتھ ہیں۔

کوفہ کے حالات سننے کے بعد امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھیوں میں مختلف خیالات پیدا ہوگئے۔ ایک مرتبہ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بھی واپسی کا ارادہ ظاہر فرمایا لیکن حضرت مسلم بن عقیل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بھائی نے فرمایا کہ ہم ہرگز واپس نہیں جائیں گے۔ طویل گفتگو کے بعد یہی طے پایا کہ کوفہ جانا چاہیے۔ جب قافلہ کوفہ کے قریب پہنچا تو حر بن یزید سے ملاقات ہوئی۔ حر کے ساتھ ایک ہزار فوجی سوار تھے۔ اس نے امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے عرض کیا کہ میں آپ کا خیر خواہ اور وفادار ہوں مگر سرکاری ملازمت میری مجبوری ہے۔ مجھے ابن زیاد نے آپ کو گرفتار کر کے اپنے پاس لانے کا حکم دیا ہے۔ میں آپ کے ادب واحترام کی وجہ سے آپ کو گرفتار نہیں کرتا۔ لیکن آپ میرے حال پر مہربانی فرمائیں اور کوفہ میں داخل نہ ہوں۔ مجبور سیدنا امام حسین کو کوفہ میں داخل ہونے کی بجائے قریب ہی میدان کربلا میں پڑاؤ ڈالنا پڑا۔

عبیداللہ بن زیاد نے اہل بیت اطہار علی جدہم وعلیہم الصلوۃ والسلام سے جنگ کرنے کے لیے عمرو بن سعد کو ایک ہزار مسلح گھڑ سواروں کے لشکر کا امیر بنا کر بھیجا۔ ابن زیاد نے بعد میں مزید کمک بھی بھیجی اور اس کے لشکر کی تعداد تقریباً بائیس ہزار تک پہنچ گئی۔ گنتی کے

مقدس افراد کا مقابلہ کرنے کے لیے اس بڑے لشکر کا پہنچ جانا ان لشکریوں کی بزدلی اور اہل بیت اطہار علیہم الرضوان کی عظمت وشجاعت کا زندہ ثبوت ہے۔ پھر اس پر بھی بس نہیں، کوفی فوج کو اس قدر خوف تھا کہ اتنی کثرت کے باوجود باقاعدہ جنگی تدابیر میں اور حکمت عملی اختیار کی گئی۔ تین دن تک پانی بند کر دیا گیا۔

سیدنا امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کسی صورت بھی جنگ نہیں کرنا چاہتے تھے اور خصوصاً تلوار چلانے میں پہل کرنے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ لیکن جو حالات نظر آ رہے تھے ان حالات میں مخالفین پر حجت قائم کرنے کی غرض سے آپ نے فرمایا میری تین باتوں میں سے کوئی ایک بات تسلیم کرلو۔

ا۔ مجھے مسلمانوں کے خلاف لڑنے کی بجائے اسلامی سرحدوں پر جا کر کفار کے خلاف جہاد کرنے دو۔

۲۔ یا مجھے مدینہ شریف جانے دو۔

۳۔ یا یزید سے میری ملاقات کرا دو۔ تاکہ میں اس سے خود بات کر کے مصالحت کی صورت نکال سکوں (الاصابہ جلد ا صفحہ ۳۳۳، البدایہ والنہایہ جلد ۸ صفحہ ۲۰۴)۔

عمرو بن سعد نے یہ باتیں ابن زیاد تک پہنچا دیں۔ مگر ابن زیاد نے ان میں سے ایک بات کو بھی قبول نہ کیا اور امام حسین سے بیعت کا مطالبہ کرتا رہا۔ امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیعت سے انکار فرما دیا جس پر کوفیوں نے جنگ چھیڑ دی۔ سیدنا امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور آپ کے ساتھی راتوں کو نمازیں پڑھتے، استغفار اور دعائیں کرتے اور اللہ کی بارگاہ میں عاجزی پیش کرتے رہتے تھے اور دشمنوں کے گھوڑے ان کے اردگرد گھومتے رہتے تھے (البدایہ والنہایہ جلد ۸ صفحہ ۱۸۵)۔

دسویں محرم کو سیدنا امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے غسل فرمایا اور زبردست خوشبو لگائی اور بعض دوسرے ساتھیوں نے بھی غسل فرمایا، غسل خانے کے طور پر ایک الگ خیمہ موجود تھا **فعدل الحسين إلى خيمة قد نصبت فاغتسل فيها الخ** (البدایہ والنہایہ جلد ۸ صفحہ ۱۸۵)۔ ہم نے یہ بات باحوالہ لکھ دی ہے۔ جنگ شروع ہوئی۔ کربلا کے اردگرد کے مسلمانوں کو جب اس جنگ کی خبر ہوئی تو بہت سے لوگ سیدنا امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ساتھ دینے کے لیے میدان میں آ گئے اور امام پاک پر اپنی جانیں قربان کر دیں۔ سیدنا حضرت حر بن یزید رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بھی یزیدی لشکر کو خیرباد کہہ دیا اور سیدنا امام حسین سے پہلے جام شہادت نوش فرمایا (البدایہ والنہای جلد ۸ صفحہ ۱۸۸)۔

جنگ کے دوران جب ظہر کی نماز کا وقت آیا تو سیدنا امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ دشمنوں سے کہو جنگ روک دیں تاکہ ہم نماز ادا کرسکیں **دخل عليهم وقت الظهر فقال الحسين مروهم فليكفوا عن القتال حتى نصلى** (البدایہ والنہایہ جلد ۸ صفحہ ۱۹۰)۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے ساتھیوں سمیت نماز ظہر ادا فرمائی۔ سیدنا امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سوتیلے بھائی اور مولا علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے شہزادے حضرت ابوبکر بن علی، حضرت عمر بن علی، حضرت عثمان بن علی اور حضرت عباس بن علی علیہم الرضوان بھی باری باری شہادت سے سرفراز ہوئے مولا علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ان تمام شہزادوں کے نام شیعوں کی اپنی کتاب جلاء العیون کے صفحہ ۴۱۴ پر اور بہتر تارے کے صفحہ ۹۸، ۱۰۷، ۱۱۱ پر موجود ہیں اور اہل سنت کی کتاب البدایہ والنہایہ جلد ۸ صفحہ ۱۹۷ وغیرہ پر بھی موجود ہیں مگر شیعہ حضرات ان شہداء کے نام تک لینا گوارا نہیں کرتے۔ حضرت عبداللہ (علی اصغر) جو شیر خوار بچے تھے۔ امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ خیمے کے دروازے پر انہیں اپنی گود میں لے کر بیٹھے۔ انہیں بوسے دینے، الوداع کہنے اور اپنے گھر والوں کو وصیت کرنے لگے۔ بنی اسد کے ایک ظالم شخص نے جس کا نام ابن موقد النار تھا، انہیں تیر مار دیا جو ان کی گردن مبارک میں آ کر لگا اور ننھے شہزادے نے جام شہادت نوش کرلیا (البدایہ والنہایہ

جلد ۸ صفحہ ۱۹۴)۔

بالآخر سیدنا امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کوفیوں کے لشکر کا تنہا مقابلہ فرمایا۔ اپنے کثیر التعداد بھائیوں، جگر کے ٹکڑوں اور ہمراہیوں کی شہادت کا منظر اپنی مبارک آنکھوں سے دیکھ چکنے کے باوجود سیدنا امام حسین صبر و استقامت کا پیکر تھے۔ ہمت و شجاعت کی وہ مثال قائم فرمائی کہ جس طرف بھی آپ کا گھوڑا بڑھتا تھا آپ دشمنوں کو گاجر مولی کی طرح کاٹتے چلے جاتے تھے۔ جب لا تعداد کوفیوں کو گھائل کر چکے تو کوفیوں نے سوچا کہ اس سے پہلے کہ یہ فرد واحد ہم ہزاروں کا خون کر ڈالے مل کر حملہ کرنا چاہیے۔ چنانچہ ان سب نے یک بارگی تیروں کی برسات کر دی۔ سیدنا امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جام شہادت نوش فرمایا اور آپ کا جسم اطہر سواری کی پشت سے زمین پر آ گیا۔ سنان بن عمرو، یا شاید خولی بن یزید، یا شاید شمر بن ذی الجوشن نے آگے بڑھ کر آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سر مبارک کو تن سے جدا کر دیا (البدایہ والنہایہ جلد ۸ صفحہ ۱۹۵)۔

سیدنا امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دس محرم سنہ ۶۱ ھ جمعہ کے دن شہادت پائی۔ آپ کی عمر شریف چھپن سال پانچ ماہ پانچ دن تھی۔ کربلا میں سیدنا امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بہتر ساتھی شہید ہوئے جبکہ یزیدی فوج کے اٹھاسی افراد قتل ہوئے (البدایہ والنہایہ جلد ۸ صفحہ ۱۹۷)۔

میدان کربلا سے بچ کر آنے والوں میں صرف ایک نوجوان حضرت سیدنا امام زین العابدین رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے جو طبیعت مبارک کی ناسازی کی وجہ سے جنگ میں شریک نہ ہو سکے تھے۔ باقی سب اہل بیت اطہار خواتین تھیں۔ جن میں حضرت سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کا نام نامی اسم گرامی سرفہرست ہے۔ آپ سیدنا امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی سگی بہن تھیں۔

**واقعہ کربلا کے بعد:** ابن زیاد نے آپ کے سر مبارک کو کوفہ کے بازار میں پھرایا۔ کوفہ کے شیعوں نے رو رو کر کہرام برپا کر دیا۔ شیعوں کی اپنی کتابوں میں لکھا ہے کہ کوفہ والوں کو روتا ہوا دیکھ کر سیدنا امام زین العابدین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ **ان ھولاء یبکون علینا فمن قتلنا غیر ھم** یعنی یہ سب خود ہی ہمارے قاتل ہیں اور خود ہی ہم پر رو رہے ہیں، (احتجاج طبرسی جل ۲ صفحہ ۲۹)

حضرت سیدہ طاہرہ زینب صلوٰہ اللہ علیٰ جدھا وعلیھا نے فرمایا کہ ''تم لوگ میرے بھائی کو روتے ہو؟ ایسا ہی سہی۔ روتے رہو۔ تمہیں روتے رہنے کی کھلی چھٹی ہے۔ کثرت سے رونا اور کم ہنسنا۔ یقیناً تم رو کر اپنا کمینہ پن چھپا رہے ہو۔ جب کہ بے عزتی تمہارا مقدر بن چکی ہے۔ تم آخری نبی کے لخت جگر کے قتل کا داغ آنسوؤں سے کیسے دھو سکتے ہو جو رسالت کا خزانہ ہے اور اہل جنت کے جوانوں کا سردار ہے'' (احتجاج طبری جلد ۲ صفحہ ۳۰)۔ اسی طرح شیعہ کی کتاب مجالس المومنین میں لکھا ہے کہ کوفہ کے لوگ شیعہ تھے (مجالس المومنین جلد ۱ صفحہ ۵۶)۔

اس کے بعد ابن زیاد نے آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سر مبارک کو اسیران اہل بیت کے ساتھ شمر کی نگرانی میں یزید کے پاس شام بھیج دیا۔ یزید نے جب سر مبارک کو دیکھا تو بہت رویا اور اپنے منہ پر طمانچے مارے (شیعوں کی اپنی معتبر کتاب جلاء العیون صفحہ ۴۴۵)۔

سیدنا امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت پر یزید رویا اور آپ کے قاتلوں پر لعنت بھیجی (البدایہ والنہایہ جلد ۸ صفحہ ۱۹۹)۔

یزید نے اہل بیت اطہار کی مقدس خواتین رضی اللہ عنھن کو اپنے گھر دار الخلافہ میں بھیجا۔ یزید کے گھر کی خواتین نے ان کا استقبال کیا اور یزید کے گھر والوں نے تین دن تک رونے دھونے اور نوحہ کرنے کا سلسلہ جاری رکھا (البدایہ والنہایہ جلد ۸ صفحہ ۲۰۲)۔ ان تمام بیانات سے معلوم ہوا کہ امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قاتل بھی شیعہ تھے اور ماتم کی ابتداء کرنے والے بھی شیعہ تھے اور ان ماتم کرنے والوں میں یزید اور اس کا خاندان بھی شامل تھا۔ اب اگر امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے غم میں رونے یا ماتم کرنے سے بخشش ہو جاتی ہے تو

پھر بخشش کا سرٹیفکیٹ کوفیوں کو بھی مل جائے گا اور یزید کو بھی مل جائے گا۔ یزید نے آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سر مبارک کو اور اہل بیت اطہار علیہم الرضوان کو مدینہ شریف میں اپنے نائب عمرو بن سعید کے پاس بھیجا اور اس نے سر مبارک کو کفن دے کر جنت البقیع میں سیدۃ النساء فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا کے پہلو میں دفن کر دیا (طبقات ابن سعد جلد ۵ صفحہ ۱۷۲، البدایہ والنہایہ جلد ۸ صفحہ ۲۱۱)۔ گویا دھڑ مبارک کربلا میں اور سر مبارک مدینہ منورہ میں دفن ہے۔

سیدنا امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کے بعد مدینہ شریف کے لوگوں نے یزید کے خلاف بغاوت کر دی۔ مدینہ شریف کے لوگوں نے کہا کہ ہم نے یزید کی اطاعت کو اس طرح اتار کر پھینک دیا ہے جس طرح یہ جوتا۔ یہاں تک کہ ایک جگہ پر جوتوں کا ڈھیر لگ گیا۔ یزید کی فوج نے بے حیائی کی انتہا کر دی۔ امام زہری رحمۃ اللہ علیہ کا بیان ہے کہ یزید کی فوج نے سات سو صحابہ کرام کو شہید کر دیا جن میں مہاجرین اور انصار شامل تھے اور ان کے علاوہ دس ہزار موالی، آزاد اور غلام تابعین شہید کر دیے جنہیں میں نہیں پہچانتا (البدایہ والنہایہ جلد ۸ صفحہ ۹۲۲)۔

تاریخ کی کتابوں میں اس واقعہ کو حرہ کے نام سے یاد کیا جاتا ہے اور اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ واقعہ کربلا کے واقعہ سے بھی بڑھ کر ظالمانہ ہے۔ اور یہ واقعہ صحابہ کرام علیہم الرضوان کی اہل بیت سے ان کی محبت کا منہ بولتا ثبوت ہے اسی لیے شیعہ واقعات کی تفصیل بیان کرنے سے گریز کرتے ہیں۔

**شہادت اور کربلا کے بعد ماتم کی ابتداء:** امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی شہادت سے پہلے وصیت فرمائی تھی کہ میری شہادت کے بعد ماتم نہ کیا جائے (البدایہ والنہایہ جلد ۸ صفحہ ۱۸۵)۔

آپ پڑھ چکے ہیں کہ ماتم کی ابتداء یزید اور اس کے اہل خانہ کی طرف سے اس وقت کر دی گئی تھی لیکن بعد میں ماتم کو باقاعدہ مذہبی عبادت کے طور پر ایک شیعہ حکمران معز الدولہ نے بغداد میں سن ۳۵۲ھ میں رائج کیا اور دس محرم کو بازار بند کر کے ماتم کرنے اور منہ پر طمانچے مارنے کا حکم دیا۔ اور شیعہ کی خواتین کو چہرے پر کالک ملنے، سینہ کوبی اور نوحہ کرنے کا حکم دیا۔ اہل سنت ان لوگوں کو منع کرنے میں کامیاب نہ ہو سکے اس لیے کہ حکمران شیعہ تھا (شیعوں کی کتاب منتہی الامال جلد ۱ صفحہ ۴۵۲، تتمہ المنتہی صفحہ ۱۳۹۱ اور اہل سنت کی کتاب البدایہ والنہایہ جلد ۱۱ صفحہ ۲۶۰)۔

**صرف رونا جائز ہے یا نہیں؟:** بعض عوام یہ سمجھتے ہیں کہ صرف ماتم کرنا ہی منع ہے۔ ان کے خیال میں رونے دھونے کی حد تک غم حسین منانا جائز بلکہ باعث ثواب اور بخشش کا ذریعہ ہے۔ اسکا جواب اچھی طرح سمجھ لیجیے۔ کسی پیارے کی وفات پر وقتی طور پر رونا آ جانا محبت اور رحم کے جذبے کا نتیجہ ہے اور یہ
بالکل درست اور جائز ہے۔ یہی وہ رونا ہے جس کی احادیث میں صاف اجازت موجود ہے خواہ فوت ہونے والا کوئی بھی ہو۔ لیکن ہر سال کے بعد رونے رلانے بیٹھ جانا (ایک طے شدہ پروگرام کے مطابق) ایک عجیب حرکت ہے۔ یہ کام نہ اپنوں کے حق میں جائز ہے اور نہ دوسروں کے حق میں۔

واقعہ حرہ میں مدینہ منورہ میں سات سو صحابہ کرام اور دس ہزار تابعین علیہم الرضوان کا قتل عام ہوا۔ حضرت سیدنا علی المرتضی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو رمضان شریف میں بھوکے پیاسے شہید کر دیا گیا۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو چالیس دن تک ان کے گھر میں محصور کر کے اور ان کا پانی بند کر کے پیاس کی حالت میں شہید کر دیا گیا۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مسجد نبوی میں نماز پڑھتے ہوئے چھرا مار کر شہید کر دیا گیا۔ ظلم کی سبھی داستانیں ایک سے بڑھ کر ایک ہیں۔ ان میں سے کسی ایک کے موقع پر ہم سال کے سال نہ ماتم کرتے ہیں اور نہ

روتے ہیں۔سب کچھ چھوڑ یے۔احادیث میں آتا ہے کہ دنیا کا سب سے تاریک دن وہ تھا جس دن حبیب کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اس دنیا سے رخصت ہوئے۔اگر ہر سال غم منانا اور رونا رلانا جائز ہوتا تو اللہ کی عظمت کی قسم یوم وصالِ رسول ﷺ پر ہر سال اس دنیا میں کہرام برپا ہو جایا کرتا۔اب ہم ہر سال ماہِ ربیع الاوّل میں (۱۲ تاریخ کو) میلادِ مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی خوشی تو ضرور مناتے ہیں مگر عین اسی ماہ (۲ ربیع الاوّل کو) حضور کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا وصال شریف بھی ہوا تھا ہم اس کی وجہ سے نہ ماتم کرتے ہیں اور نہ ہی روتے ہیں۔یاد رہے کہ بے اختیار آنسو نکل آنا ایک الگ بات ہے۔

سیدنا علی المرتضیٰ، محبوب کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے (وصال باکمال پر) عرض کررہے تھے: یارسول اللہ! میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں۔آپ کی وفات سے ہم نبوت، غیب کی باتوں اور آسمان کی خبروں سے محروم ہو گئے ہیں۔اس مصیبت کے سامنے دوسری تمام مشکلات آسان نظر آرہی ہیں اور ہر شخص اس غم میں برابر کا شریک ہے۔اگر آپ نے ہمیں صبر کا حکم نہ دیا ہوتا اور بے تابی سے منع نہ فرمایا ہوتا تو ہم آپ پر رورو کر اپنی آنکھوں کا سارا پانی ختم کردیتے۔آپ سے جدائی کا درد اور اندوہ ہمیشہ ہمارے سینے میں رہے گا۔آپ کے دکھ کے سامنے کسی دوسرے دکھ کی کوئی اوقات نہیں۔کیا کریں، فوت ہونے والوں کو واپس نہیں بلایا جاسکتا اور موت کو واپس نہیں بھیجا جاسکتا۔میرے ماں باپ فدا ہوں، اپنے رب کے پاس جا کر ہمیں یاد رکھنا اور خود بھی ہم پر نظر رکھنا (نہج البلاغہ صفحہ ۳۳۶ مطبوعہ ایران قم)۔

اس خطبے کو بار بار پڑھیے۔یہ خطبہ ہم نے مکمل نقل کردیا ہے۔اس کے اول یا آخر سے کچھ نہیں چھوڑا۔اس خطبے سے صاف معلوم ہورہا ہے کہ مولا علی شیر خدا رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے محبوب کی عین وفات کے موقع پر بھی آنسوؤں پر کنٹرول رکھا ہے۔چہ جائیکہ ہر سال کے بعد دوبارہ رونے دھونے کا کام شروع کردیا جائے۔

حبیب کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: **تُحۡفَةُ الۡمُؤۡمِنِ الۡمَوۡت** یعنی موت مومن کے لیے تحفہ ہے (مشکوٰۃ صفحہ ۱۴۰)۔

آپ خود سوچیے کہ جب سادہ سی موت مؤمن کیلئے تحفہ ہے تو پھر شہادت کی موت کتنا بڑا تحفہ اور کتنا بڑا اعزاز ہوگی اور شہید ہونے والے اس پر کس قدر مسرور اور مطمئن ہوں گے۔محبوب کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں: **وَالَّذِیۡ نَفۡسِیۡ بِیَدِہٖ لو ددت أن أقتل فی سبیل الله، ثم أحیائم أقتل، ثم أحیائم أقتل، ثم أحیائم أقتل** یعنی اللہ کی قسم میری بھی دلی خواہش ہے کہ میں اللہ کی راہ میں شہید کر دیا جاؤں، پھر زندہ کیا جاؤں پھر شہید کردیا جاؤں، پھر زندہ کیا جاؤں پھر شہید کردیا جاؤں، پھر زندہ کیا جاؤں پھر شہید کردیا جاؤں (مسلم، بخاری، المستند صفحہ ۲۳۵)۔یہ ہے اس مقدس ہستی کا فرمان جس نے اپنے ہاتھوں سے گلستان زہرا کی آب یاری کی اور اہل بیت کی تربیت پر زور نبوت صرف کیا۔

خاندان نبوت کو شہادت کے ان فضائل کا دوسروں سے زیادہ علم تھا۔پھر انہوں نے اپنی شہادت یا اپنے پیاروں کی شہادت پر کیوں نہ فخر کیا ہوگا اور انہوں نے کیوں کر ماتم کیا ہوگا اور کیوں کر ہر سال رونے کی تعلیم دی ہوگی؟

**اہل سنت کا طریقہ:** اہل سنت و جماعت کے نزدیک جس طرح تمام صحابہ، اہل بیت اور دیگر اولیاء کرام کی سیرت اور احوال کے لیے جلسے منعقد کرنا اور عرس منانا جائز بلکہ مستحب اور ثواب کا کام ہے اسی طرح سیدنا امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور شہداء کربلا کی یاد میں محافل کا انعقاد بھی نہایت پسندیدہ ہے۔**تَذۡکِرَۃُ الصَّالِحِیۡنَ کَفَّارَۃٌ لِّلسَّیِّئَاتِ** اللہ کے پیاروں کی یاد گناہوں کا کفارہ ہے۔اس دوران اگر کسی کو اتفاقیہ رونا آجائے تو ایسے رونے میں کوئی قباحت نہیں۔لیکن تکلف کے ساتھ جان بوجھ کر رونے رلانے کی کوشش کرنا اور زبردستی رلانے والے قصے گھڑ گھڑ کر بیان کرنا اور اس رونے کو کارِ ثواب سمجھتے ہوئے رونے دھونے کی مجالس یا مجالس عزا قائم کرنا اور پھر ہر سال کے بعد رونے بیٹھ جانا اسلام میں بے صبری اور خدا سے دوری کو فروغ دینے کے مترادف ہے۔ایسی حرکتوں سے جہاد سے نفرت پیدا ہوتی ہے اور غیر مسلموں

کے سامنے اسلام کی بدنامی اور رسوائی ہوتی ہے۔ یاد رکھیے اس اس طرح رونے سے اگر کسی کی بخشش ہو جاتی ہو تو ان رونے والوں میں یزید بھی شامل تھا۔ اگر یزید آنسو بہانے اور اپنے منہ پر طمانچے مارنے کے باوجود بدبخت ہے تو یقین رکھیے کہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت اور سیدنا امام حسین سمیت تمام صحابہ واہل بیت علیہم الرضوان کی غلامی کے بغیر غم حسین کا ڈھونگ کچھ کام نہ دے گا۔ اسلام ایک سنجیدہ دین ہے اور ایسی چھچھوری اور غیر ذمہ دارانہ تعلیمات سے پاک ہے۔

حضرت مولانا شاہ احمد رضا خان بریلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

آج کل واقعہ شہادت بیان کرتے وقت اکثر بے سروپا اور جھوٹی روایات کو بیان کیا جاتا ہے۔ ایسی مجالس میں جانا مطلقاً حرام اور ناجائز ہے۔ اور اگر واقعہ شہادت بیان کرنے کا مقصد غم پروری اور زبردستی کا رونا دھونا ہو تو یہ نیت بھی شرعاً بری ہے۔ غم اگر ہو بھی تو اسے دل سے دور کرنے کا حکم ہے۔ نہ یہ کہ غم سرے سے ہو ہی نہیں اور محرم کے دنوں میں اپنے اوپر زبردستی غم لاگو کر کے تکلف سے کام لے کر رونے کی کوشش کی جائے یا رونے دھونے کو عبادت سمجھا جائے۔ یہ سب روافض کی بدترین بدعات ہیں۔ اہل سنت پر لازم ہے کہ ان چیزوں سے بچ کے رہیں۔ اللہ کی قسم اگر اس رونے دھونے میں کوئی خوبی ہوتی تو حضور پرنور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی وفات شریف پر غم کرنا اور رونا ہم پر سب سے زیادہ لازم ہوتا۔ دیکھو! سرکار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت اور وفات ایک ہی مہینے میں ہوئی لیکن علماء کرام نے ولادت شریفہ پر خوشی منانا پسند فرمایا ہے اور وفات شریف پر غم منانا جائز نہیں سمجھا (رسالہ تعزیہ داری صفحہ ۵۱ از فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ بالتسہیل)۔

**خطیبوں سے گذارش:** ہمارے بعض خطیب حضرات نے بھی رونے رلانے کا دھندا شروع کر رکھا ہے اور اپنی تقریر میں رنگ بھرنے کے لیے شیعہ کی روایات کو بڑے جوش و خروش کے ساتھ بیان کرتے رہتے ہیں، یہ ایک افسوسناک بات ہے۔ بے شمار اقوال گھڑ کے سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف منسوب کر دیے گئے۔ چنانچہ امام محمد بن سیرین علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ **ان اکثر مایروی عن علی الکذب** یعنی حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف منسوب کی جانے والی اکثر باتیں جھوٹی ہوتی ہیں (بخاری جلد ا صفحہ ۵۲۶)۔ اسی طرح تقیہ کی آڑ میں تمام آئمہ اہل بیت کی طرف جھوٹ منسوب کیے گئے ہیں۔

چنانچہ حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ لوگ ہمارے بارے میں جھوٹی باتیں گھڑنے پر عاشق ہو چکے ہیں۔ انہوں نے یوں سمجھ رکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جھوٹ بولنا ان پر فرض کر رکھا ہے اور اللہ نے ان کو یہی دھندا سونپا ہوا ہے۔ میں ان میں سے کسی شخص کو اندر بیٹھ کر ایک حدیث بتاتا ہوں تو وہ باہر جا کر اس کو دوسرے معانی میں ڈھال لیتا ہے (شیعہ کی کتاب رجال کشی صفحہ ۱۲۴)۔

جھوٹ کے اس سلسلے کی کڑی کربلا کے حالات و واقعات ہیں جنہیں لوگ اس طرح بیان کرتے ہیں جیسے وہ خود موقع پر موجود تھے۔ حالانکہ کربلا سے بچ کر آنے والے سیدنا امام زین العابدین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے علاوہ کوئی شخص کربلا کے صحیح حالات بیان نہیں کر سکتا۔ اہل بیت کی خواتین پردہ میں تھیں۔ امام زین العابدین کی طبیعت مبارک ناساز تھی۔ باقی سب حضرات شہید ہو گئے۔ اب اس واقعہ کو کسی حد تک ڈھالا ہے۔ ان حضرات سے درخواست ہے کہ تحقیق سے کام لیجیے۔ اس موضوع پر نہایت معتبر اور مستند اقوال پر اعتماد فرمائیے اور ماتمی انداز سے گریز کیجیے۔ خصوصاً خاک کربلا اور اوراق غم جیسی کتابوں سے محققین کو دور رہنا چاہیے۔

بعض خطیب کہتے پھرتے ہیں کہ چھپن سال کی عمر میں حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے جسم مبارک پر ایک بال بھی سفید نہیں تھا۔ مگر جیسے ہی سیدنا علی اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سینے سے تیر کھینچا تو سارے کے سارے بال سفید ہو گئے۔ خطیبوں کی تحقیق دین سے بالکل

دوراور بیگانہ ہے۔صحیح بخاری میں حدیث ہے کہ حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا سر مبارک جب کاٹ کر ابن زیاد کے پاس لایا گیا تو آپ کے بالوں پر سیاہ خضاب لگا ہوا تھاو کان مخضوبا بالوسمة (بخاری جلد ا صفحہ ۵۳۰)۔اس سے پتہ چلتا ہے کہ آپ کے بال مبارک پہلے ہی سفید تھے۔بعض کہتے پھرتے ہیں کہ مرج البحرین سے مراد مولا علی اور سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا ہیں اور اَللُّولُوءُ وَالْمَرْجَان سے مراد حسنین کریمین علیہما الرضوان ہیں۔حالانکہ مرج البحرین سے آگے بَیْنَهُمَا بَرْزَخٌ لَّا یَبْغِیَان کے الفاظ بھی موجود ہیں۔علامہ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ جاہلانہ تاویل ہے جو شیعہ نے کی ہے (الاتقان جلد ۲ صفحہ ۱۸۰)۔ملا علی قاری علیہ الرحمہ نے بھی تقریباً یہی لکھا ہے۔(مرقاۃ جلد ا صفحہ ۲۹۲)۔

عوام اہل سنت سے درخواست ہے کہ دسویں محرم کے دن شہداء کربلا کے لیے قرآن خوانی کیجیے۔درود شریف، استغفار اور کلمہ طیبہ پڑھ پڑھ کر ایصال ثواب کیجیے۔شھداء کی طرف سے کھانے پینے کی چیزیں خیرات کیجیے۔امام پاک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ذکر خیر سننے کے لیے اہل سنت کی محافل میں جایا کیجیے۔اس مقصد کے لیے شیعوں کی مجالس عزا میں جانا ایمان کی تباہی ہے۔حسین ہمارے ہیں اور ہم حسین کے ہیں۔کسی دوسرے کو محبت حسین کا ٹھیکیدار مت سمجھیے۔علی جدہ وابیہ واخیہ وعلیہ الصلوۃ والسلام

**واقعہ کربلا سے ملنے والے اسباق:**

1۔سیدنا امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خلفاء راشدین علیہم الرضوان کی مخالفت نہ کی اور یزید کی مخالفت کی۔اس سے یہ سبق ملتا ہے کہ اہل حق کے ساتھ تعاون کرنا چاہیے اور اہل باطل کے ساتھ تعاون نہیں کرنا چاہیے۔

2۔سیدنا امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے صحابہ کرام علیہم الرضوان سے مشورہ لیا اور راستے میں اپنے ساتھیوں سے بھی مشورہ لیا۔اس سے سبق ملتا ہے کہ اہم کام سرانجام دینے کے لیے مشورہ کر لینا چاہیے۔

3۔سیدنا امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یزید کا مقابلہ کیا اور متعدد نے رخصت پر عمل فرمایا۔اس سے ہمیں یہ سبق ملتا ہے کہ جتنا کسی کا رتبہ بڑا ہو اتنی ہی اس پر ذمہ داری عائد ہوتی ہے۔

4۔سیدنا امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا حرمین شریفین میں جنگ کرنے کی بجائے کوفہ چلے جانا ہمیں یہ سبق دیتا ہے کہ حرمین شریفین کی بے ادبی سخت منع ہے۔

5۔آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مختلف تجاویز میں پیش فرما کر جنگ کو ٹالنے کی کوشش فرمائی۔اس سے ہمیں سبق ملتا ہے کہ جنگ سے گریز کرنا چاہیے اور پہل ہرگز نہیں کرنی چاہیے۔

6۔سیدنا امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے میدان کربلا میں نہایت صبر وتحمل کا مظاہرہ فرمایا۔اپنے پیاروں کو شہید ہوتا دیکھ کر بھی ماتم اور نوحہ نہیں کیا۔حتیٰ کہ اہل بیت کی خواتین علیہم الرضوان نے بھی صبر کا دامن نہیں چھوڑا۔اس سے ہمیں سبق ملتا ہے کہ اللہ کریم کی طرف سے آنے والے امتحانوں پر صبر کرنا چاہیے اور
کسی قسم کا واویلا یا ماتم نہیں کرنا چاہیے۔جو کامل ہوتے ہیں وہ رضا پر راضی رہتے ہیں۔

7۔سیدنا امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ان کے ساتھی رات کو ذکر وعبادت میں مصروف رہے اور عین میدان جنگ میں بھی نماز کو یاد رکھا۔اس سے ہمیں یہ سبق ملتا ہے کہ مشکل وقت میں اللہ کریم جل مجدہ کو کثرت سے یاد کرنا چاہیے اور ہر حال میں نماز کی پابندی کرنی چاہیے۔

اللھم صل علی سیدنا ومولینا محمد وعلی آلہ وعترتہ وصحبہ وازواجہ واحبائہ وسلم

# نیا اسلامی سال

حضور مفکر اسلام پروفیسر محمد حسین آسی قدس سرہ العالی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سیماب نظر آتی ہے مجھے ہر چیز اداس اور آزردہ
فطرت غمگیں ہو جاتی ہے جب ماہِ محرم آتا ہے

اسلامی تقویم کے نئے سال ۱۴۲۵ھ کا آغاز یکم محرم سے ہوگیا۔ اس تقویم کا آخری مہینہ ذوالحج حضرت ابراہیم وحضرت اسمٰعیل علیہما السلام کے عظیم وجلیل جذبۂ قربانی کی یاد دلاتا ہے تو اسی مہینے کے متصل بعد آنے والا نئے سال کا پہلا مہینہ محرم الحرام دنیا کے عظیم ترین سانحۂ شہادت کے خونیں واقعات کی دردانگیز یادوں کو اپنے جلو میں لئے آتا ہے۔ یہ سانحۂ شہادت ۱۰ محرم ۶۱ھ کو کربلائے معلیٰ کی تپتی ہوئی ریت پر رونما ہوا جب یزید پلید کی کم از کم بائیس ہزار کی افواج قاہرہ نے نواسۂ رسول، جگر گوشۂ بتول، شہزادۂ گلگوں قبا، سراپا اصطفا وارتضا حضرت سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ کو صرف بہتر ساتھیوں سمیت دریائے فرات کے کنارے انتہائی بے رحمی کے ساتھ بھوکا پیاسا رکھ کر دعوت پیکار دی اور راکب دوش رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نوجوانان جنت کا سردار کسی مصلحت دنیوی کو خاطر میں لائے بغیر محض اسلام کے تحفظ کی خاطر صبر واستقامت سے لیس ہو کر میدان میں ڈٹ گیا۔ بدبختان روسیہ نے نواسہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو شہید کرنے کے بعد آپ کے سراقدس کو جسم اقدس سے الگ کیا۔ تذکرہ سبط ابن الجوزی کے مطابق آپ کے جسم مقدس پر تینتیس (۳۳) زخم نیزوں کے اور چالیس (۴۰) زخم تلوار کے تھے اور آپ کے پیراہن شریف میں ایک سو اکیس (۱۲۱) سوراخ نیزوں کے تھے۔ اس کے بعد سنگدلی کی انتہا یہ کر دی کہ گھوڑوں کی ٹاپوں سے آپ کے جسدِ اطہر کو ریزہ ریزہ کر ڈالا۔ اس وقت آپ کی عمر شریف ۵۶ سال ۵ ماہ ۵ دن تھی۔

خاندان رسالت علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے باقی ماندہ افراد (جن میں حضرت سیدنا امام زین العابدین رضی اللہ عنہ کے سوا اکثریت پردہ نشین خواتین تھی) کو قیدی بنالیا گیا، شہیدوں کے سر نیزوں پر چڑھا لئے گئے اور کوفے کے کوچہ وبازار میں ان قیدیوں اور شہیدوں کے سروں کا جلوس نکالا گیا۔ ان سروں کی تفصیل بھی سن لیجئے۔

بیس خاندان بنی ہاشم کے علاوہ تیرہ سر بنو کندہ کے، بیس سر بنو ہوازن کے، سترہ بنو تمیم کے، سولہ سر بنو اسد کے اور سات سر بنو مذحج کے۔

شیعہ مذہب کی مشہور کتاب جلاء العیون کے مطابق اس جلوس میں حضرت امام زین العابدین رضی اللہ عنہ، حضرت سیدہ زینب رضی اللہ عنہا اور حضرت سیدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا نے اس حالت اسیری میں درد وغم سے لبریز خطبات بھی ارشاد فرمائے۔ تینوں حضرات نے اللہ کی حمد، خاندان رسالت علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کی عظمت، اپنے قافلہ سالار کے اوران کے وفادار اہل نسب ونسبت کی شہادت اور کوفیوں کی بدترین بدعہدی کا ذکر فرمایا، اس کے بعد ان کے عبرتناک انجام کی پیشگوئی کی۔ حضرت سید سجاد رضی اللہ عنہ نے اس جملے پر اپنے خطبے کا

اہتمام فرمایا:

'جن لوگوں نے انھیں قتل کیا ہے، ان کی سزا جہنم ہے۔'

حضرت سیدہ زینب رضی اللہ عنہا نے حمد وصلوٰۃ کے بعد فرمایا:

'اے بیوفا اور دغا باز کوفیو! کیا تم اب روتے اور ماتم کرتے ہو، خدا تمہیں ہمیشہ رلائے اور تمہارا رونا اور ماتم کرنا کبھی ختم نہ ہو، تم بہت روؤ اور تھوڑا ہنسو'

حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا نے حمد وصلوٰۃ کے بعد فرمایا

'اے کوفہ والو! تمہارا برا حال ہو اور تمہارے منہ سیاہ ہوں۔ تم نے میرے پیارے بھائی کو بلایا، پھر ان کو چھوڑ دیا اور ان کی مدد نہ کی۔ تمہاری بیوفائی اور غداری کی وجہ سے وہ قتل ہوئے، ان کا مال واسباب لوٹا گیا اور ان کے اہل بیت قیدی بنے۔ اب تم ان پر روتے ہو، خدا تم کو ہمیشہ رلائے۔'

تاریخ انسانی کے اس دردناک ترین واقعے کو بیتے ابھی ایک دو دن ہی گزرے تھے۔ جن بہنوں نے امام حسین رضی اللہ عنہ جیسے بے مثال بھائی کے اور جس کے فرزند سعید نے اپنے لاجواب باپ رضی اللہ عنہ کے اپنی آنکھوں سے خاک وخون میں لوٹنے کا انداز دیکھا ہو، ان کی شدت غم کا کون اندازہ کرسکتا ہے، جب کہ صدیاں گزرنے کے بعد بھی اس کا اثر یہ ہے کہ اپنے ہی نہیں، پرائے بھی، اس دردناک واقعے کو (دیکھ کر نہیں) سنتے ہی اشکبار ہو جاتے ہیں۔ اور پھر جس جس میں درد کا، انسانیت کا، غمخواری وغمگساری کا اور سوز وگداز کا جتنا خزانہ ہوتا ہے، وہ اتنا ہی اور بھی، غمزدہ ہو جاتا ہے۔

حضرت خواجہ نظام الدین محبوب الٰہی قدس سرہٗ کی روایت کے مطابق تاج الاصفیاء، سراج الاولیاء، شیخ الاسلام والمسلمین، برہان الحقیقہ حضرت بابا فریدالدین مسعود گنج شکر رضی اللہ عنہ نے محرم کے پہلے عشرہ کے فضائل بیان کرتے ہوئے فرمایا۔ (فارسی عبارت کا اردو ترجمہ حسب ذیل ہے)

'اس عشرے میں کسی اور کام میں مشغول نہیں ہونا چاہیے، سوا اطاعت، تلاوت، دعا ونماز وغیرہ کے، اس لئے کہ اس (عشرے) میں قہر الٰہی بھی ہوا ہے اور بہت رحمت الٰہی بھی نازل ہوتی ہے۔ بعد ازاں فرمایا کہ تجھے معلوم نہیں کہ اس عشرے میں حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر کیا گزری؟ اور آپ کے فرزندوں کو کس طرح بے رحمی سے شہید کیا گیا۔ بعض پیاس کی حالت میں شہید ہوئے کہ ان بدبختوں نے ان اللہ کے پیاروں کو پانی کا ایک قطرہ تک نہ دیا۔ جب شیخ الاسلام نے یہ بات فرمائی تو ایک نعرہ مار کر بے ہوش ہو کر گر پڑے، جب ہوش میں آئے تو فرمایا کیسے سنگدل، کافر، بے عاقبت، بے سعادت اور نامہربان تھے حالانکہ انہیں خوب معلوم تھا کہ یہ دین ودنیا اور آخرت کے بادشاہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فرزند ہیں، پھر بھی انہیں بڑی بے رحمی سے شہید کیا اور انہیں یہ خیال نہ آیا کہ کل قیامت کے دن حضرت خواجہ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کیا منہ دکھائیں گے' (راحت القلوب۔ شام کربلا)

دس محرم سنہ ۶۱ء کو جب یہ واقعہ پیش آیا خود حضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دل پر کیا گزری تھی، آیئے آخر میں اس کا کچھ حال جانیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما راوی ہیں۔

**"میں نے ایک روز دوپہر کے وقت خواب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھا کہ آپ کے بال مبارک بکھرے ہوئے گرد آلود ہیں دست مبارک میں خون بھرا شیشہ ہے ،میں نے عرض کی میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں،یہ کیا ہے (ماھذا) فرمایا یہ حسین اور اس کے ساتھیوں کا خون ہے ،میں اُسے آج صبح سے اٹھاتا رہا ہوں(ھذا دم الحسین واصحابہ ولم ازل التقطہ منذ الیوم)ابن عباس فرماتے ہیں ،میں نے اس وقت کو اور تاریخ کو یاد رکھا .جب خبر آئی تومعلوم ہوا حضرت حسین اسی وقت شہید کئے گئے تھے(بیھقی .احمد. مشکوۃ)**

حضرت سلمیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ ام المومنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی خدمت میں حاضر ہوئی تو وہ رورہی تھیں۔ میں نے کہا، آپ کیوں رورہی ہیں؟ فرمایا، میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خواب میں روتے ہوئے دیکھا ہے اور آپ کے سر مبارک اور ریش اقدس پر گردوغبار ہے۔ میں نے عرض کی کہ یارسول اللہ یہ کیا حال ہے؟ (مالک یارسول اللہ) فرمایا میں ابھی حسین کی شہادتگہ پر گیا تھا (شھدت قتل الحسین انفاً ،المستدرک۔ مشکوۃ)

جب سید الصابرین بلکہ قاسم صبر ورضا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ حال ہے تو کون سنگدل ہے جو اسے آنکھوں کی برسات کے بغیر پڑھ سکے یا لکھ سکے یا سنا سکے یا سن سکے۔ اس میں کیا شک ہے کہ حرص وہوس کے بندوں نے اپنے رسول کریم علیہ الصلوۃ والتسلیم کا لحاظ رکھا، نہ اُن کے عظیم نورِ نظر رضی اللہ عنہ کی نسبت کو پہچاننے کی کوشش کی، وہ اندھے تھے اور اندھوں سے یہی کچھ متوقع ہوتا ہے۔

مگر دیکھنا تو یہ ہے کہ ہم کیا ہیں اور کیا ہم عظمت شبیر رضی اللہ عنہ کو پہچانتے ہیں۔ اگر ہمیں واقعۂ کربلا کے پس منظر اور شہنشاہ کربلا رضی اللہ عنہ کی قربانی کے مقصد کا علم ہی نہیں تو ہم بھی دیکھنے کے باوجود اندھے ہیں۔ آج بھی ہمارے کرتوت اگر یزید پلید اور شمر وابن زیاد کی سیرت کا عکس ہی ہیں تو دس محرم کو رونے دھونے کے باوجود سوچئے ہمارا نام کس گروہ میں شامل کیا جائے گا۔

آیئے اپنے کردار کا جائزہ لیں اور روئیں تو اپنے کردار پر بھی کبھی روئیں۔ آخر ہمارا دل ایسا سخت کیوں ہوگیا ہے کہ دردناک سے دردناک واقعے کا بھی اس پر کوئی اثر نہیں ہوتا۔ ہاں آئیں ماتم کیجیے مگر کس کا، اپنی بے حسی کا۔ بس جیسا یزید ہمارے دین وایمان کا سب سے بڑا دشمن، یزید کی طرح اسلام کے خون کا پیاسا ہے مگر ہم کیا کررہے ہیں عزت اسلام کے اس بڑے دشمن کو بھی حرمین شریفین کی عزت وحرمت کی حفاظت کا ٹھیکیدار سمجھ لیا ہے، بہر حال ہمیں یعنی ساری ملت اسلامیہ کو خون امام علی جدہ وعلیہ السلام کی قدر کرنی چاہیے۔ میرے نزدیک اس کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ ہر سال ۸ یا ۹ محرم الحرام کو یوم توبہ منایا جائے۔ رسم توبہ پاکستان سے شروع ہو مگر پھر تمام ملت اسلامیہ میں پھیلتی جائے۔ سنت کی خوشبوؤں سے سارے جہان کو معطر کردیں اور ظلم وستم کا صفحۂ ہستی سے نام ونشان تک مٹادیں۔ کربلا کا اصل پیغام یہی ہے اگر سمجھیں۔

# کشف المعانی لمکتوبات امام ربانی۔۔۔۔شرح مکتوبات شریف

## ''مکتوب شانزدہم'' سولہواں مکتوب۔نمبر ۱۶

(محدث زماں حضرت علامہ محمد اسحاق نظیری رحمۃ اللہ علیہ)

ادارہ الحقیقہ کے لیے جہاں یہ امر باعث عزوشرف ہے وہیں ہمارے قارئین کے لیے مادیت زدہ ماحول میں، قطبِ وقت، قندیل نورانی محدث رحمانی، غوث صمدانی، امام ربانی، المجد دالمنو رالف ثانی، ابوالبرکات شیخ بدرالدین احمد فاروقی، نقشبندی، سرہندی قدس سرہ العزیز کے مکاتیب جومکتوبات امام ربانی (مکتوبات شریف) کے نام سے معروف ہیں، علوم ومعارف اور حقیقت ومعرفت کا بحرِ ذخار ہے جو اس قدر مشکل اور اَدق ہیں کہ بقول امام ربانی مجدد الف ثانی علما کے علوم اور اولیاء کے معارف سے وراء ہیں جو مشکوٰۃ نبوت سے مقتبس ہیں اور الف ثانی کے مجدد کے ساتھ خاص ہیں۔ نیز یہ علوم ومعارف کشف صحیح اورالہام صریح سے ثابت ہیں جو کتاب و سنت کے عین مطابق اور اہلسنت کے عقائدوآراء کے بالکل موافق ہیں۔

ادارہ مجلّہ الحقیقہ اپنے قارئین کے لیے آسان اور عام فہم انداز میں، محدث زماں حضرت علامہ محمد اسحاق نظیری رحمۃ اللہ علیہ کی تصنیف کردہ ''کشف المعانی لمکتوبات امام ربانی'' جوکہ حضرت مجدد الف ثانی کے مکتوبات شریفہ کی شرح، پہلی بار شائع کررہا ہے۔ دعا ہے کہ اللہ پاک حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ العزیز کے مزار پر انوار پر کروڑوں رحمتیں نازل فرمائے، حضرت علامہ محمد اسحاق نظیری رحمۃ اللہ علیہ کے درجات بلند فرمائے، مجلّہ الحقیقہ کو اسلام اور تصوف کی حقیقی تصویر پیش کرنے اور قارئین کو فیض حاصل کرنیکی توفیق عطا فرمائے۔ آمین (ادارہ الحقیقہ)

| فارسی | اردو |
|---|---|
| ''دربیانِ احوالِ عروج ونزول وغیرِ آن نیز بہ پیر بزرگوار خودنوشتہ اند'' | عروج اور زوال اور اسکے غیر کے حالات کے بیان میں (یہ خط) بھی اپنے پیر بزرگوار (حضرت خواجہ باقی باللہ قدس سرہ) کولکھا ہے۔ |
| ''عرضداشتِ احقر الطلبہ آنکہ نوازش نامہ مولانا علاؤ الدین رسانید'' | تمام طلباء سے کمتر طالب کی عرض یہ ہے کہ (حضرت کا) نوازشنامہ (خط) مولانا علاؤالدین نے پہنچایا ہے۔ |
| ''درکشفِ ہریک از مقدمہ مذکورہ بمقتضائے وقت مسوّدہ کردہ شد بعضے متممات ومکمّلاب آن علوم مسطورہ نیز مخطور شدہ بود فرصتِ تحریر آنہا نشد کہ حاصل عرضداشت راہی شد انشاءاللہ تبارک وتعالیٰ متعاقب بخدمت خواہد فرستاد'' | مذکورہ (نوازش نامہ) کے مقدمہ سے ہرایک کی وضاحت میں وقت کے تقاضے کے مطابق تحریر کردیا گیا ہے (مسودہ کا معنی سیاہ کیا گیا یعنی لکھا گیا مگر نظر ثانی نہیں ہوئی نظر ثانی کے بعد جو صاف کرکے لکھا جاتا ہے اسکو مبیّضہ کہتے ہیں) ان لکھے ہوئے علوم کے بعض (امور) پورا کرنے والے مکمل کرنے والے بھی دل میں آئے تھے ان کو لکھنے کی مہلت نہ میسر ہوئی کہ خط لے جانے والے (جلد) روانہ ہوگئے ان شاءاللہ تبارک وتعالیٰ عنقریب خدمت میں پہچایا جائیگا (یعنی ان علوم پر مشتمل رسالہ مکمل کرکے پہنچایا جائیگا) |

| | |
|---|---|
| ''الحال رسالہ دیگر کہ بہ بیاض رسیدہ بود فرستاد و آن رسالہ بالتماسِ بعضے یاران میسر شدہ'' | اس وقت ایک دوسرا رسالہ جو سفیدی کو پہنچا تھا (مبیّضہ ہو چکا ہے) بھیج دیا ہے اور وہ رسالہ (مبیّضہ) بعض دوستوں کے عرض کرنے پر (لکھنا) میسر ہوا۔ |
| ''التماس نمودہ بودند کہ نصائح بنویسیدہ کہ در طریقہ نافع باشد و بمقتضائے زندگانی کردہ شوذ'' | (ان دوستوں نے) عرض کی تھی کہ نصیحتیں لکھیں جو طریقت میں نفع دینے والی ہوں اور اسکے تقاضا کے مطابق زندگی (بسر) کیجائے (یعنی واضح نصیحتیں ہوں جن کو زندگی کا معمول بنایا جائے)۔ |
| ''الحق رسالہ غیر مکرر کثیر البرکات است'' | سچی بات یہ ہے کہ رسالہ ءبےمثال بہت برکتوں والا ہے (غیر مکرر جس میں تکرار نہیں یعنی اس جیسا کوئی دوسرا رسالہ نہیں اس لئے غیر مکرر کا معنی بے مثال ہوا) |
| ''بعد از تحریرِ آن چنان معلوم شد کہ حضرت رسالت خاتمیت علیہ الصلوۃ والسلام والتحیۃ با جمع کثیر از مشائخ اُمتِ خود حاضر اند و ہمیں رسالہ را در دستِ مبارک خود دارند و از کمالِ کرم خویش آنِ را بوسہ میکنند و با مشائخ مینما یند کہ این نوع معتقدات می باید حاصل کردہ'' | اس کے لکھنے کے بعد ایسا معلوم ہوا (مشاہدہ ہوا) کہ حضرت آخری رسالت والے علیہ الصلوۃ والسلام (ختم المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم) والتحیۃ اپنی امت کے مشائخ کی ایک بڑی جماعت کے ساتھ تشریف فرما ہیں اور یہی رسالہ اپنے مبارک ہاتھ میں رکھتے ہیں اور اپنی کمال مہربانی سے اسکا بوسہ لے رہے ہیں اور مشائخ کو دِکھا رہے ہیں کہ اس قسم کے عقائد حاصل کرنے چاہییں (یعنی جو اس رسالہ میں تحریر ہیں)۔ |
| ''و جماعہ کہ باین علوم مستسعد گشتہ بودند نورانی وممتاز اند و عزیز الوجود رُو بروئے آن سرور علیہ الصلوۃ والسلام و التحیۃ ایستادہ اند و القصہ بطولہا'' | اور وہ جماعت جو ان علوم سے سعادتمند ہوئی تھی نورانی اور ممتاز تھی اور قلیل الوجود (یعنی اس درجہ کے کم لوگ ہیں) اور حضور علیہ الصلوۃ والسلام والتحیۃ کے سامنے کھڑے ہیں اور یہ واقعہ بہت ہی لمبا ہے (لہذا اسکو یہاں ہی ختم کیا جاتا ہے)۔ |
| ''و در ہمان مجلس باشاعتِ این واقعہ حقیر را امر فرمودند'' | اور اُسی مجلس میں اس واقعہ کو شائع کرنے کا (اس) حقیر کو (فقیر کو) (حضور علیہ السلام نے) حکم فرمایا۔ |
| ''ع با کریماں کارہا دشوار نیست'' | ع کئی کام کریموں کے لئے مشکل نہیں (یعنی کوئی کام بھی اللہ کے بندوں کے لئے مشکل نہیں)۔ |
| ''از آنروز کہ از ملازمت برآمدہ است بواسطہ ءمیل بفوق بمقام ارشاد چندانی مناسبت ندارد'' | اس دن سے کہ جس دن ملازمت سے (بندہ) باہر آیا (یعنی آپ کے دربار سے فارغ ہو کر سرہند آیا) اوپر کی طرف رغبت کی وجہ سے (یعنی اللہ کی طرف رغبت) مقام ارشاد سے چنداں مناسبت نہیں رکھتا (لوگوں کو ہدایت دینے سے مناسبت نہیں رکھتا)۔ |

| | |
|---|---|
| ''چندگاہ خود ہمت آن بود کہ در گوشہ خزیدہ شود و مردم در صحبت ہچو ببر و شیر درنظرمی درآمدند'' | کچھ عرصہ البتہ یہ ارادہ تھا کہ گوشۂ تنہائی میں پوشیدہ ہو جائے (گوشہ نشین ہو جاؤں) اور لوگ مجلس میں ببر اور شیر کی طرح نظر آتے ہیں (شیر جنگل کا مشہور درندہ ہے اور ببر شیر کی شکل کا ایک اور درندہ ہے) (یعنی لوگوں سے اسطرح نفرت ہوئی اور ڈر لگتا ہے جیسے ببر اور شیر سے)۔ |
| ''عزم عزلت مصمم شدہ بود اما استخارہ موافق نمی افتاد'' | گوشۂ تنہائی اختیار کرنے کا مضبوط ارادہ ہوگیا تھا لیکن استخارہ موافق نہیں آیا (یعنی استخارہ میں لوگوں سے علیحدہ ہونے کی اجازت نہیں ملی)۔ |
| ''عروج در مدارجِ قرب بغایۃ الغای ہر چند غایت ندارد میسر شدہ میشود و میبرند و می آرند کلّ یوم ھو فی شان بر مقامات جمیع مشائخ الا ماشاء اللہ تعالیٰ گذرانیدند'' | مدارج قرب میں بلندی اس انتہا کی انتہا تک جسکی کوئی انتہا نہیں میسر ہوئی اور ہوتی رہیگی اور لیجاتے ہیں اور لاتے ہیں ہر دن وہ نئی شان میں تمام مشائخ کے مقامات پر مگر جو اللہ چاہے گذارتے ہیں (یہ آیت ہے سورہ رحمٰن کی اللہ کی شانوں کی کوئی انتہا نہیں ایسے ہی قرب کے درجوں کی بھی کوئی انتہا نہیں) (چند مشائخ کے استثناء کے ساتھ تمام مشائخ کے مقامات کی سیر نصیب ہوئی)۔ |
| ''گلے بر وند زین دہلیزہ پست بدان درگاہِ والا دست بر دست'' | ایک کیچڑ کو اس پست دہلیز سے اس بلند دربار تک لیگئے دست بر دست یعنی بغیر رکاوٹ کے۔ |
| ''درین میان اگر توسّطِ روحانیت مشائخ را تعداد نمایم بطول انجامد'' | اس درمیان اگر مشائخ کی روحانیات کے توسط کی تعداد بیان کروں تو بہت لمبا انجام ہو جائیگا (یعنی کثیر مشائخ کی روحانیت کا وسیلہ حاصل ہوا) |
| ''بالجملہ از جمیع مقاماتِ اصل دررنگِ مقامات ظِل گذرانیدند'' | خلاصہء کلام یہ ہے کہ اصل کے تمام مقامات سے سایہ کے مقامات کے رنگ میں گذرا (تمام مقامات کی سیر نصیب ہوئی)۔ |
| ''از عنایات چہ نویسد قُبِلَ مَن قُبِلَ بلاعلۃ'' | (بندہ) مہربانوں سے کیا لکھے (یعنی اللہ تعالیٰ کی اتنی زیادہ مہربانیاں جو تحریر کے احاطہ میں نہیں آسکتیں) بغیر سبب کے قبول ہوا جو قبول ہوا (یعنی یہ تمام کمالات محض اللہ تعالیٰ کی عطا اور مہربانی ہے اسمیں اسباب کی مداخلت نہیں)۔ |
| ''چنداں وجوہِ ولایت وکمالاتِ آن را وانمودند کہ چہ در تحریر آرد'' | ولایت کے وجوہ اور اسکے کمالات اتنے واضح کر دیئے ہیں کہ (بندہ) کیا لکھے (یعنی یہ اقسام ولایت اور کمالات ولایت لکھے نہیں جاسکتے)۔ |
| ''درشھر ذی الحجہ درمدارجِ نزول تا مقام قلب فرود آوردند'' | ذوالحج کے مہینہ میں نزول کے مدارج میں مقام قلب تک نیچے لائے ہیں (عروج سے پہلے مقام قلب اور نزول کے بعد مقام قلب کی تشریح پہلے گذر چکی ہے حضرت نے خود تخصیص فرمائی ہے)۔ |

| | |
|---|---|
| ''واین مقام مقام تکمیل وارشاہ است اما ہنوز چیز ہا از متمم ومکمل از برائے ایں مقام درکار است تا کے میسر شود در امر آسان نیست'' | اور یہ مقام تکمیل وارشاد کا مقام ہے (لوگوں کو ہدایت کرنے کا مقام ہے مقام مشیخیت) لیکن اب اس مقام کے لئے پورا اور مکمل کرنے والی کئی چیزوں کی ضرورت ہے کب تک میسر ہونگی کام آسان نہیں (یعنی ان متممات ومکملات کا میسر ہونے آسان نہیں انتظار ہے کب میسر ہونگی)۔ |
| ''باوجود مُرادیت چندان قطع منازل کردہ میشود کہ مُریداں رادر عمرِ نوح ہم معلوم نیست کہ میسر شود بلکہ این وجُوہ مخصوص بمرادانست مُریداں اینجا قدم گاہ ندارند'' | مراد ہونے کے باوجود اتنی (زیادہ) منزلیں طے کرنی پڑی ہیں کہ مریدوں کو عمرِ نوح میں بھی معلوم نہیں کہ کب میسر ہونگی (یعنی مریدوں کو اگر نوح علیہ السلام کی عمر ملے تو اس عمر میں بھی انکو یہ منزلیں طے کرنے کی خبر ہی نہیں ملتی کہ کب طے ہوں) بلکہ ولایت کے یہ اقسام مرادوں کے ساتھ خاص ہیں مرید لوگ اس جگہ قدم رکھنے کی جگہ نہیں رکھتے۔<br>(مراد چاہا ہوا یعنی محبوب اور مرشد بھی اسکا چاہنے والا ہوتا ہے حضرت مجدد صاحب اللہ کے محبوب اور مرشد کی مراد ہیں مُرید چاہنے والا ارادہ کرنے والا محب کو کہتے ہیں اسکو منزل دیر سے ملتی ہے)۔ |
| ''نہایتِ عروجِ افراد تا بدایتِ مقامِ اصل است بیشتر افرار ہم گذر ندارند زارد فضل اللہ یوتیہ من یشآء واللہ ذوالفضل العظیم'' | افراد کے عروج کی نہایت مقام اصل کی ہدایت تک ہے بہت سے افراد (یہاں) گزرنے کی (سکت) بھی نہیں رکھتے یہ اللہ کا فضل ہے وہ دیتا ہے جسکو چاہتا ہے اور اللہ بڑے فضل والا ہے (یہ سورہ جمعہ کی آیت کی طرف اشارہ ہے)۔ |
| ''وجہ توقف در مراتب تکمیل وارشاد این است'' | تکمیل اور ارشاد کے مرتبوں میں رکنے کی وجہ یہ ہے (یعنی اس مقام کے پورا اور مکمل کرنے کے لئے بہت چیزوں کی ضرورت ہے جب تک وہ میسر نہ ہوں تو توقف لازمی ہے)۔ |
| ''وعدم نورانیت بواسطہ ظہور نور ظلمتِ غیبت است چیز دیگر نیست۔ مردم در متخیلات خود چیز ہا می یزند اعتبار نباید کرد'' | پوشیدگی کی تاریکی کے نور کے ظاہر ہونے کی وجہ عدم نورانیت ہے کوئی دوسری چیز نہیں (غیبت کی ظلمت کو نور قرار دیا گیا حالانکہ نور ظلمت کی ضد ہے لہذا یہ صوفیا کی خصوصی اصطلاح ہے لا مناقشۃ فی الاصطلاح) لوگ اپنے مصنوعی خیالات میں چیزیں پکاتے ہیں جنکا اعتبار نہیں کیا جاتا۔(یعنی دلائل کے بغیر خیالات قابل اعتبار نہیں ہیں)۔ |
| ''در نیابد حالِ پختہ ہیچ خام پس سخن کوتاہ باید والسلام'' | کوئی کچا شخص پختہ حال نہیں پاتا۔ پس بات کم کرنی چاہیے اور سلام (ناقص شخص سے) |

| | |
|---|---|
| ''دراندیشہء این قسم ظنّیات احتمالِ ضرر غالب است آن جماعت را فرمایند کہ از احوالِ این خستہء بالی نظر خیالی خود بپوشند مجالِ نظر را محال دیگر بسیار است'' | اس قسم کے ظنیات کے فکر میں احتمالِ نقصان غالب ہے اس جماعت (سالکین) کو مشائخ فرماتے ہیں ((یعنی حکم دیتے ہیں) کہ اس ٹوٹے ہوئے دلوں کے حالات سے اپنی خیالی نظر پوشیدہ (بند) رکھیں (خیالی نظر سے نہ دیکھیں) نظر کی طاقت استعمال کرنے کے لئے اور جگہیں بہت ہیں۔ |
| ''من گم شدہ ام مرا مجوئید۔ با گمشدگان سخن مگوئید'' | میں گم ہوگیا ہوں مجھے نہ تلاش کریں۔ گم ہونے والوں کے ساتھ بات نہ کریں۔ |
| ''از غیرتِ خداوندی جل سلطانہ باید اندیشید امرے را کہ حق سبحانہ وتعالیٰ کمال میخواہد در تنقیص او سخن گفتن بسیار نامناسب است فی الحقیقت معارضہ است بارتعالیٰ'' | خداوند جل سلطانہ کی غیرت سے ڈرنا چاہئے حق سبحانہ وتعالیٰ جس کام کے کمال کو چاہے اسکو ناقص کرنیکی بات کرنا نامناسب (ناجائز) ہے حقیقت میں اس بلند ذات کے ساتھ مقابلہ کرنا ہے۔ |
| ''ونزول در مقام قلب بحقیقت مقام فرق است کہ مقام ارشاد است۔ وفرق دریں موطن عبارت از جدا شدنِ نفس است از روح وروح از نفس بعد از آنکہ نفس داخل بود در نورِ روح وآن جمع بود'' | اور مقام قلب میں اترنا حقیقت میں مقام فرق ہے جو کہ مقام ارشاد ہے اور اس جگہ فرق سے مراد نفس کا روح سے اور روح کا نفس سے جدا ہونا ہے اسکے بعد کہ نفس داخل تھا روح کے نور میں اور وہ جمع تھا (یعنی نفس تبدیل ہوکر روح کے نور میں داخل ہو چکا تھا اور اسکے ساتھ جمع ہو چکا تھا لہٰذا اس جمع کے بعد نفس اور روح کا آپس میں جدا ہونا یہ مقام فرق ہے جو مقام قلب میں نزول کے بعد حاصل ہوتا ہے اور یہی مقام ارشاد ہے اب بندہ مرشد بننے کے قابل ہوگیا ہے)۔ |
| ''از جمع وفرق بیش ازین ہر چہ مفہوم میشود از سکر است'' | جمع اور فرق کی اصطلاح سے اس (بیان) سے زیادہ جو سمجھا جاتا ہے وہ سکر کی وجہ سے ہے (یعنی جمع وفرق سے صرف یہی مراد جو بیان ہوا یعنی جمع سے مراد نفس کا روح کے ساتھ جمع ہونا ہے اور فرق سے مراد اس جمع کے بعد انکا آپس ایک دوسرے سے جدا ہوتا ہے اس سے زیادہ کچھ خیال کرنا سکر ہے)۔ |
| ''حق را از خلق جدا دیدن کہ مقام فرق می انگارند حقیقت ندارد۔ ہمیں روح را حق میدانند وجدا دیدن او را از نفس جدا دیدنِ حق میدانند تعالیٰ وتقدس اس خلق و ھکذا القیاس فی اکثر علوم ارباب السکر لان حقیقۃ الامر مفقودۃ والامر عنداللہ سبحانہ'' | حق (اللہ) کو خلق سے جدا دیکھنے کو مقام فرق خیال کرنا کچھ حقیقت نہیں رکھتا (یعنی فرق کا یہ معنی مراد لینا غلط ہے) اسی روح کو حق جانتے ہیں اور اسکا نفس سے جدا دیکھنے کو حق تعالیٰ وتقدس کا خلق سے جدا دیکھنا سمجھتے ہیں ارباب سکر کے اکثر علوم میں ایسا ہی خیالی ہے اسلئے کہ معاملہ کی حقیقت وہاں نایاب ہے اصل معاملہ اللہ پاک کے پاس ہے۔ |
| ''در رسالہء دیگر بہ تفصیل علوم ارباب جذبہ وسلوک و حقیقت این ہر دو مقام تحریر یافتہ است بنظر شریف خواہد گزشت'' | ایک دوسرے رسالہ میں جذبہ اور سلوک والوں کے (متعلقہ) علوم اور ان ہر دو مقام کی حقیقت تفصیل سے لکھ دی گئی ہے (انشاء اللہ عنقریب نظر شریف سے گزریگا (یعنی وہ مفصل رسالہ بھیجنے والا ہوں حضور مطالعہ فرمائینگے)۔ |

# تفہیم المسائل

علامہ سعید آسویؔ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

**مجلة الحقیقه** کے قارئین کو شرعی مسائل سے آگاہ کرنے کے لیے **تفہیم المسائل** کے عنوان سے ایک نئی تحریر کا آغاز کیا جارہا ہے۔ قارئین یہ مسائل اچھی طرح سمجھیں اور پھر اپنے اہلِ خانہ کو بھی سمجھائیں۔ یاد رہے کہ اسلامی تعلیمات کے مطابق ایک دینی مسئلہ سمجھنا رات بھر کی عبادت سے افضل ہے۔

## میّت کے احکام

**جان کنی کی علامات:** 1۔ پاؤں کا ست ہوجانا کہ کھڑے نہ ہوسکیں 2۔ ناک کا ٹیڑھا ہوجانا 3۔ کنپٹیوں کا بیٹھ جانا 4۔ منہ کی کھال کا سخت ہوجانا

**جان کنی کے وقت کیا کرنا چاہیے؟:** موت کی علامات ظاہر ہونے پر سُنّت طریقہ یہ ہے کہ اس کا منہ قبلہ رخ کردیں، لیکن وہ تکلیف محسوس کرے تو چھوڑ دیں۔ جب تک روح گلے تک نہ آئے، اسے تلقین کریں یعنی اس کے پاس بلند آواز سے پہلا یا دوسرا کلمہ پڑھیں۔ اسے براہِ راست پڑھنے کو نہ کہیں۔ جب وہ کلمہ پڑھ لے تو تلقین موقوف کردیں۔ آخری کلام کلمہ ہو۔ خوشبو اس کے پاس رکھیں۔ مکان میں کوئی تصویر یا کتا ہو تو فوراً نکال دیں کہ ملائکۂ رحمت نہیں آتے۔ نیک، پرہیزگار لوگ پاس ہوں تو بہتر ہے کہ نزع کے وقت اپنے اور اس کے لیے دعائے خیر کرتے رہیں۔ میت کے پاس کوئی برا کلمہ نہ کہیں۔ نزع میں سختی دیکھیں تو سورہ یٰسین یا سورہ رعد پڑھیں۔

**میّت کا دم نکلنے کے بعد کیا کریں؟:** جب روح نکل جائے تو ایک چوڑی پٹّی جبڑے کے نیچے سے سر کے اوپر لے جاکر گرہ باندھ دیں، کہ منہ کھلا نہ رہے۔ نرمی کے ساتھ آنکھیں بند اور انگلیاں، ہاتھ پاؤں سیدھے کردیں۔ آنکھیں بند کرتے وقت یہ دعا پڑھیں: بِسْمِ اللّٰهِ وَعَلٰی مِلَّةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ .اَللّٰهُمَّ يَسِّرْ عَلَيْهِ اَمْرَهٗ. وَسَهِّلْ عَلَيْهِ مَا بَعْدَهٗ .وَاَسْعِدْهُ بِلِقَآئِكَ.

وَاجْعَلْ مَا خَرَجَ اِلَيْهِ خَيْرًا مِّمَّا خَرَجَ عَنْهُ

ترجمہ: اللہ کے نام کے ساتھ اور رسول اللہ (ﷺ) کی مِلّت پر۔ اے اللہ! اس کے کام کو تو اس پر آسان کر۔ اور اس کے مابعد کو اس پر سہل کر۔ اور اپنی ملاقات سے تو اسے نیک بخت کر۔ اور اس کی آخرت اس کی دنیا سے بہتر کر۔

پھر جن کپڑوں میں وہ مرا ہے، اتار کر سارے بدن کو کسی کپڑے سے چھپا دیں۔ اس کے پیٹ پر کوئی قدرے بھاری چیز رکھ دیں تا کہ پیٹ پھول نہ جائے۔ زیادہ وزنی چیز نہ رکھیں کہ باعثِ تکلیف ہے۔ چار پائی وغیرہ کسی اونچی چیز پر میت کو رکھیں کہ زمین کی نمی نہ پہنچے۔ اس کے ذمّہ قرض ہو تو جلد سے جلد ادا کریں۔ پڑوسیوں اور دوست احباب کو اطلاع دیں تا کہ نمازیوں کی کثرت ہو۔ غسل وکفن ودفن میں جلدی کریں کہ حدیث میں اس پر زور دیا گیا ہے۔ میّت کے پاس تلاوتِ قرآن جائز ہے جبکہ اس کا تمام بدن کپڑے میں چھپا ہو۔ تسبیح واذکار میں مطلقاً کوئی حرج نہیں۔

**میّت کو غسل دینا:** میّت کو غُسل دینا فرض کفایہ ہے۔ طریقہ یہ ہے: جس تختے پر نہلانے کا ارادہ ہے، اس کو تین، پانچ یا سات بار دھونی دیں۔ یعنی خوشبو والی چیز کو اس کے گرد پھرائیں۔ پھر اس تختے پر میّت کو لٹا کر ناف سے گھٹنوں تک کسی کپڑے سے چھپا دیں۔ مستحب ہے کہ پردہ کرلیں۔ اب نہلانے والا ہاتھ پر کپڑا لپیٹ کر پہلے استنجا کرائے پھر میّت کا منہ اور پھر کہنیوں سمیت دونوں ہاتھ دھوئے۔ پھر سر کا مسح اور پاؤں دھوئے۔ اس کے بعد کوئی کپڑا یا روئی کی پھریری بھگو کر دانتوں، مسوڑھوں، ہونٹوں اور نتھنوں پر پھیر دیں۔ پھر سر اور داڑھی کے بال کسی پاک کرنے والی چیز مثلاً اسلامی کارخانے میں بنے صابن سے دھوئیں۔ خالی پانی بھی کافی ہے۔ پھر بائیں کروٹ پر لٹا کر سر سے پاؤں تک بیری کے پتّے جوش دیا ہوا پانی بہائیں کہ تختہ تک پہنچ جائے۔ پھر داہنی کروٹ لٹا کر ایسا کریں۔ نیم گرم پانی بھی کافی ہے۔ پھر ٹیک لگا کر بٹھائیں اور نیچے کو پیٹ پر نرمی ہاتھ پھیریں۔ اگر کچھ نکلے تو دھو ڈالیں، وضو وغسل کا اعادہ نہ کریں۔ پھر آخر میں سر سے پاؤں تک کافور کا پانی بہائیں۔ ایک مرتبہ سارے بدن پر پانی بہانا فرض جبکہ تین بار بہانا سُنّت ہے۔ میّت کے بدن کو کسی پاک کپڑے سے آہستہ پونچھ لیں۔ نہلانے والا کوئی اچھی بات دیکھے تو لوگوں میں بیان کرے، اگر بری بات دیکھے تو بیان نہ کرے۔ میّت کو کفن دینا بھی فرض کفایہ ہے۔

**مرد کے لیے کفن:** مرد کے لیے سُنّت تین کپڑے ہیں: **لفافہ:** چادر جو میّت کے قد سے اتنی زیادہ ہو کہ دونوں طرف باندھ سکیں۔ **اَزار:** تہ بند جو میّت کی چوٹی سے قدم تک ہو **قمیص یا کفنی:** گردن سے گھٹنوں کے نیچے تک، جو آگے پیچھے سے برابر ہو، چاک اور آستین اس میں نہ ہو۔

**عورت کے لیے کفن:** پانچ کپڑے ہیں: (۱)۔لفافہ (۲)۔اَزار (۳)۔کفنی (۴)۔**اوڑھنی** جو تین ہاتھ یعنی ڈیڑھ گز ہو (۵)۔سینہ بند، سینہ سے ناف تک، ران تک بہتر ہے۔ (نوٹ: مرد کی کفنی مونڈھے پر چیریں اور عورت کے لیے سینہ کی طرف)

**کفن پہنانے کا طریقہ:** کفن کو دھونی دے کر یوں بچھائیں کہ پہلے بڑی چادر، پھر تہ بند، پھر کفنی، پھر میّت کو اس پر لٹائیں۔ اب کفنی پہنائیں۔ اور داڑھی اور تمام بدن پر خوشبو ملیں۔ مواضع سجود یعنی ماتھے، ناک، ہاتھ، گھٹنے، قدم پر کافور لگائیں۔ پھر اَزار یعنی تہ بند لپیٹیں، پہلے بائیں جانب سے پھر دائیں طرف سے۔ پھر لفافہ لپیٹیں، پہلے بائیں پھر دائیں طرف سے تا کہ داہنا اوپر رہے۔ اور سر اور پاؤں کی طرف سے باندھیں تا کہ اڑنے کا خدشہ نہ رہے۔

اور **عورت** کو کفنی پہنا کر اس کے بالوں کے دو حصّے کر کے کفنی کے اوپر سینہ پر ڈال دیں۔ اور اوڑھنی نصف پشت کے نیچے سے بچھا کر سر پر لا کر منہ پر

مثل نقاب ڈال دیں کہ سینہ پر رہے۔ پھر اُزار اور لفافہ لپیٹیں۔ پھر سب کے اوپر سینہ بند، سینہ سے ران تک لا کر باندھ دیں۔

**جنازہ کو قبرستان لے جانے کا مسنون طریقہ:** سُنّت یہ ہے کہ چار شخص جنازہ اٹھائیں۔ ہر ایک یکے بعد دیگرے چاروں پایوں کو کندھا دے۔ ہر بار دس دس قدم چلے۔ پوری سُنّت یہ ہے کہ پہلے داہنے سرہانے کندھا دے، پھر داہنی پائنتی، پھر بائیں سرہانے، پھر بائیں پائنتی۔ دس دس قدم یعنی چالیس قدم چلے۔ حدیث پاک کے مطابق اس کے چالیس کبیرہ گناہ مٹا دیئے جائیں گے۔ چلنے میں چارپائی کا سرہانہ آگے رکھیں۔ جنازہ معتدل تیزی سے لے کر جائیں۔ چھوٹے بچے کو اگر ایک شخص ہاتھ پر اٹھا کر چلے تو کوئی حرج نہیں۔ اور یکے بعد دیگرے لوگ ہاتھوں ہاتھ لیتے رہیں۔ ورنہ چھوٹے کھٹولے یا چارپائی پر لے جائیں۔

**جنازہ کے ساتھ چلنے والوں کے لیے احکام:** ساتھ جانے والوں کو جنازہ کے پیچھے چلنا افضل ہے۔ دنیا کی باتیں نہ کریں۔ موت کو یاد کریں۔ ہنسیں مت۔ دل میں ذکر کریں، یہ افضل ہے۔ تاہم بلند آواز سے کرنے کی بھی علماء نے اجازت دی ہے، بلحاظ زمانہ حال۔ بغیر نماز جنازہ واپس آنا برا ہے۔ نماز کے بعد اولیائے میّت سے اجازت لے کر جبکہ بعد تدفین بغیر اجازت آسکتا ہے۔ خیال رہے! غسل دینا، کفن پہنانا، نماز جنازہ پڑھنا سب فرض کفایہ ہیں۔

**نمازِ جنازہ سے متعلق:** نمازِ جنازہ میں **2 رکن** ہیں: (۱)۔ ۴ بار اَللّٰہُ اَکْبَرُ کہنا (۲)۔ قیام کرنا

میّت سے متعلق **7 شرطیں** ہیں: (۱)۔ میّت کا مسلمان ہونا (۲)۔ اس کے بدن و کفن کا پاک ہونا (۳)۔ جنازہ کا موجود ہونا۔ غائب کی نمازِ جنازہ یعنی غائبانہ نمازِ جنازہ جائز نہیں (۴)۔ جنازہ کا زمین پر ہونا یا قریب ہونا (۵)۔ جنازہ نمازیوں کے سامنے قبلہ رخ ہو (۶)۔ میّت کے بدن کو وہ حصہ چھپا ہو، جس کا چھپانا فرض ہے (۷)۔ میّت کا امام کے محاذی ہونا۔ **3 چیزیں سُنّتِ مؤکدہ** ہیں: (۱)۔ اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا (۲)۔ نبی پاک ﷺ پر درود شریف (۳)۔ میّت کے لیے دعا۔ بعض علماء اسے واجب کہتے ہیں۔

**جن کی نمازِ جنازہ نہیں پڑھی جائے گی:** (۱)۔ باغی جو بغاوت میں مارا جائے (۲)۔ ڈاکو جو ڈاکے میں مارا جائے (۳)۔ وہ لوگ جو ناحق پاسداری سے لڑیں اور وہیں مر جائیں (۴)۔ جس نے کئی شخص گلا گھونٹ کر مار ڈالے (۵)۔ جس نے اپنے باپ یا ماں کو مار ڈالا (۶)۔ جو کسی کا مال چھینتے مارا گیا۔ **ان کے علاوہ** ہر مسلمان کی نمازِ جنازہ پڑھی جائے گی اگرچہ کیسا ہی گنہگار، مرتکبِ کبائر یا بے نمازی ہو۔ خودکشی جیسا بڑا گناہ کرنے والے کی بھی نماز پڑھی جائے گی۔

**نمازِ جنازہ کا طریقہ:** میّت کے سینے کے سامنے، میّت سے قریب امام کھڑا ہو۔ نیت کرلیں: ''چار تکبیر نمازِ جنازہ فرض کفایہ، ثنا واسطے اللہ تعالیٰ کے، درود شریف واسطے نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے، دعا واسطے اس حاضر میّت کے، منہ طرف قبلہ شریف، پیچھے اس امام کے (امام امامت کی نیّت کرے گا)''۔ پھر کانوں تک ہاتھ اٹھا کر اَللّٰہُ اَکْبَرُ (تکبیرِ تحریمہ) کہتا ہوا ہاتھ ناف کے نیچے باندھ لیں۔ اب ثناء پڑھیں۔ پھر دوسری بار اَللّٰہُ اَکْبَرُ کہہ کر درود شریف پڑھیں۔ نماز والا درود پڑھنا بہتر ہے۔ پھر تیسری بار اَللّٰہُ اَکْبَرُ کہہ کر دعا پڑھیں۔ پھر چوتھی تکبیر اَللّٰہُ اَکْبَرُ کہہ کر ہاتھ چھوڑ دیں اور دائیں بائیں سلام پھیریں۔ تکبیر اور سلام امام بلند آواز سے کہے جبکہ مقتدی آہستہ، باقی سب آہستہ پڑھا جائے گا۔ صرف پہلی تکبیر میں

ہاتھ اٹھائے جائیں گے۔

**ثناء:** سُبۡحٰنَکَ اللّٰھُمَّ وَبِحَمۡدِکَ وَتَبَارَکَ اسۡمُکَ وَتَعَالٰی جَدُّکَ (وَجَلَّ ثَنَآءُ کَ) وَلَآ اِلٰهَ غَیۡرُکَ ۔

**درود شریف:** اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی (سَیِّدِنَا)مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ (سَیِّدِنَا) مُحَمَّدٍ کَمَا صَلَّیۡتَ وَسَلَّمۡتَ وَبَارَکۡتَ وَ رَحِمۡتَ وَ تَرَ حَّمۡتَ عَلٰی (سَیِّدِنَا) اِبۡرَاھِیۡمَ وَعَلٰی اٰلِ (سَیِّدِنَا) اِبۡرَاھِیۡمَ اِنَّکَ حَمِیۡدٌ مَّجِیۡدٌ

**دعا:** اَللّٰھُمَّ اغۡفِرۡلِحَیِّنَا وَمَیِّتِنَا وَ شَاھِدِنَا وَ غَآ ئِبِنَا وَ صَغِیۡرِنَا وَکَبِیۡرِنَا وَ ذَکَرِنَا وَاُنۡثٰنَا ۔ اَللّٰھُمَّ مَنۡ اَحۡیَیۡتَهٗ مِنَّا فَاَحۡیِهٖ عَلَی الۡاِسۡلَامِ ۔ وَمَنۡ تَوَفَّیۡتَهٗ مِنَّا فَتَوَفَّهٗ عَلَی الۡاِیۡمَانِ ۔

**اگر نابالغ لڑکا ہو تو دعا:** اَللّٰھُمَّ اجۡعَلۡهُ لَنَا فَرَطًا وَّاجۡعَلۡهُ لَنَا اَجۡرًا وَّ ذُخۡرًا وَّاجۡعَلۡهُ لَنَا شَافِعًا وَّ مُشَفَّعًا ۔

**اگر نابالغ لڑکی ہوتو دعا:** اَللّٰھُمَّ اجۡعَلۡھَا لَنَا فَرَطًا وَّاجۡعَلۡھَا لَنَا اَجۡرًا وَّ ذُخۡرًا وَّاجۡعَلۡھَا لَنَا شَافِعَةً وَّ مُشَفَّعَةً ۔

**چند متفرّق مسائل** :(۱)۔مسجد میں نمازِ جنازہ مطلقاً مکروہِ تحریمی ہے۔البتہ مجبوری مثلاً تیز بارش (اور جنازگاہ بغیر چھت ہے) وغیرہ میں گنجائش ہے۔ (۲)۔جتنی مٹی قبر سے نکلی،اس سے زیادہ ڈالنا مکروہ ہے۔(۳)۔قبر چوکھونٹی بنانے کی بجائے اس میں ڈھال رکھیں۔(۴)۔قبر کی اونچائی ایک بالشت یا کچھ زیادہ ہو۔بارہ انگل کا ایک بالشت ہوتا ہے/ہاتھ کا پنجہ پھیلانے پر چھوٹی انگلی کے سرے سے انگوٹھے کے سرے کا درمیانی فاصلہ/۹انچ ۴گرہ کا فاصلہ) (۵)۔میّت کو دفن کر کے قبر کے پاس اتنی دیر بیٹھنا مستحب ہے کہ اونٹ ذبح کر کے گوشت تقسیم کر دیا جائے۔اس سے میّت کو اُنس اور نکیرین کا جواب دینے میں وحشت نہ ہوگی۔اس دوران سرہانے سورہ بقرہ کا شروع مُفۡلِحُوۡنَ تک اور پائنتی طرف اٰمَنَ الرَّسُوۡلُ سے آخر تک پڑھیں۔یا کہیں سے بھی تلاوتِ قرآن،استغفار وغیرہم (۶)۔قبر پر اجرت پر قرآن کریم پڑھوانا جائز نہیں۔(۷)۔قبر پر پھول ڈالنے میں کوئی حرج نہیں کہ جب تک تر رہیں گے تسبیح کریں گے،میّت کا دل بہلا رہے گا۔(۸)۔قبر پر اذان سے میّت کو تسکین ملتی ہے۔احادیث کے مطابق شیطان بھاگتا ہے۔پھر اذان ذکرِ الٰہی ہے،رحمت نازل ہوتی ہے۔(۹)۔نوحہ کرنا یا بَین ڈالنا یعنی میّت کے اوصاف مبالغے سے بیان کر کے بلند آواز سے رونا حرام ہے۔(۱۰)۔یونہی گریبان چاک کرنا،منہ نوچنا،بال کھولنا،سر پہ خاک ڈالنا،سینہ کوبی کرنا،ران پہ ہاتھ مارنا، سب جاہلیت کے کام اور حرام ہیں۔بغیر آواز کے رونا محبّت کی نشانی اور جائز ہے۔

**قبروں کی زیارت کو جانا:** قبروں کی زیارت کو جانا سُنّتِ رسول ﷺ ہے۔آپ ﷺ شہدائے اُحد کی قبروں پر ہر سال تشریف لے جاتے تھے۔ایک حدیث پاک میں فرمایا گیا:''تم لوگ قبروں کی زیارت کو جاؤ کہ یہ عمل دنیا میں بے رغبتی اور آخرت کو یاد دلانے کا سبب ہے''۔اور فرمایا: ''جس نے اپنے والدین یا ان میں سے کسی ایک (فوت شدہ) کی قبر کی ہر جمعہ زیارت کی،اسے بخش دیا جائے گا اور نیکوکاروں میں لکھ لیا جائے گا''۔ عورتیں قبروں پر نہ جائیں کہ عموماً شرعی حدوں سے ناواقف ہیں۔البتہ مردوں سے پردہ کا انتظام ہو اور شرعی آداب سے آگاہ ہوں تو گنجائش ہے جیسا کہ اُمّ المؤمنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا حضور پاک ﷺ،سیدنا صدیقِ اکبر اور سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہم کی مبارک قبور پر جانا احادیث سے ثابت ہے۔اور نبی پاک ﷺ کی قبرِ انور پر جانا بے شمار برکات کا سبب اور کم از کم ایک بار جانا واجب ہے۔کہ فرمایا: مَنۡ زَارَ قَبۡرِیۡ وَجَبَتۡ لَهٗ شَفَاعَتِیۡ۔جس نے میری قبر کی زیارت کی،اس کے لیے میری شفاعت واجب ہوگئی۔

# توبہ کی اہمیت و فضیلت

علامہ محمد ظہیر الدین شمسی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اللہ تعالیٰ کی پاکی اور بڑائی کا اظہار انسان کی تخلیق سے پہلے فرشتے کر ہی رہے تھے انہیں نفس امارہ خورد و نوش اور ضروریات زندگی کی فراہمی سے اللہ تعالیٰ نے مبرا کر دیا تھا۔ ان کی روحانی غذا صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت، تقدیس اور تحمید تھی۔ اللہ تعالیٰ نے ارادہ فرمایا کہ ایسی مخلوق کو وجود میں لائے جسے خواہشات نفسانی اور دنیاوی الجھنوں میں ڈال دے پھر وہ دنیاوی الجھنوں اور ضرورتوں میں مقید ہونے کے باوجود میری اطاعت اور فرماں برداری کرے اور بتقاضائے بشریت اس سے خطا واقع ہو تو خوف زدہ ہو کر میری طرف رجوع کرے تو باری تعالیٰ نے حضرت آدم ابوالبشر اور ان کی اولاد کو پیدا کیا۔ اسی وجہ سے اس زاہد سے جو دنیا سے قطع تعلق کر کے گوشہ نشینی اختیار کرے، وہ عابد جو دنیا سے متعلق ہو کر حصول معاش اور اہل وعیال کی کفالت کرتے ہوئے اپنے فرائض و واجبات کو ادا کرے اور منہیات سے اجتناب کرے افضل اور عنداللہ زیادہ مقبول ہے جیسا کہ کسی شاعر نے کہا ہے۔

درد دل کے واسطے پیدا کیا انسان کو

ورنہ طاعت کے لئے کچھ کم نہ تھے کروبیاں

توبہ سے گناہ مٹ جاتے ہیں اگر وہ حق العباد سے متعلق نہ ہوں گویا توبہ انسان کے گناہوں کے لئے اس آگ کی بھٹی کی طرح ہے جو لوہے کی زنگ کو دور کر دیتی ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے "التائب من الذنب کمن لا ذنب له" گناہ سے توبہ کرنے والا گناہ نہ کرنے والے کے مثل ہے۔ حدیث قدسی میں سرور دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتا ہے "اگر ہمارے بندے نیک ہی نیک اعمال کریں اور ان سے کوئی گناہ سرزد نہ ہو جس کی وجہ سے وہ میری طرف عاجزی اور انکساری ظاہر کرتے ہوئے مائل نہ ہوں تو انہیں اٹھا لوں گا اور ایسے بندوں کو پیدا کروں گا جن سے گناہ سرزد ہو تو توبہ کرتے ہوئے میری بارگاہ میں اشک ندامت بہائیں۔ سرور کون ومکاں صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے۔ تین آنکھوں کو جہنم کی آگ نہیں جلائے گی۔ ایک وہ آنکھ جو اللہ تبارک وتعالیٰ کے کلام کی تلاوت کرتی ہے اور ایک وہ آنکھ جو غیر محرم کے دیکھنے سے باز رہتی ہے تیسری وہ آنکھ جو خوف خدا میں اشکبار ہو جاتی ہے۔ خوف خدا میں ٹپکا ہوا آنسو جہنم کی آگ کو اس کے لئے بجھا دیتا ہے۔

تر دامنی پہ شیخ ہماری نہ جائیو

دامن نچوڑ دیں تو فرشتے وضو کریں

رسول ہاشمی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا بنی اسرائیل میں ایک شخص تھا جس نے ننانوے آدمیوں کا ناحق خون کیا تھا مگر اسے

اپنے اس ظالمانہ فعل پر ندامت ہوئی اس نے جا کر ایک راہب (یہودی عالم) سے پوچھا میں نے ننانوے آدمیوں کو قتل کیا ہے مگر اب اپنے فعل پر نادم ہوں کیا خدائے تعالی میرے قصور و گناہ کو معاف فرمائے گا۔ راہب نے جواب دیا اتنے آدمیوں کے خون سے اپنے دامن کو رنگین کرنے کے باوجود معافی کے طالب ہو۔ ہرگز معافی نہیں ہوسکتی ہے اس مجرم نے اسے بھی قتل کر کے سو کی تعداد پوری کر لی۔ لیکن اس کے دل میں خوف خدا اور آخرت کے عذاب کا ڈر لگا رہا۔ آخر وہ ایک خدا رسیدہ راہب کے پاس پہنچا اور اس سے اپنے سو خون کرنے اور خدائے تعالی سے معافی طلب کرنے کا سوال پیش کیا۔ راہب نے اس سے کہا اگر تو فلاں گاؤں میں چلا جائے تو اللہ تعالی تیری توبہ قبول کر کے تیری خطاؤں کو معاف فرما دے گا وہ قاتل بہت خوش ہوا اور جونہی مطلوبہ گاؤں کی طرف قدم بڑھایا کہ ملک الموت کو خدائے تعالیٰ کا حکم ملا اس کی روح قبض کرلو۔ مرتے دم اس نے اپنے سینے کو مطلوبہ گاؤں کی طرف ڈال کر جان دے دی۔ مرنے کے بعد رحمت کے فرشتے اور عذاب کے فرشتوں میں بحث ہونے لگی۔

عذاب کے فرشتوں نے کہا ''شرط کے مطابق یہ مطلوبہ گاؤں میں نہیں پہنچ سکا اس لئے اسے عذاب میں مبتلا کروں گا''۔ رحمت کے فرشتے نے کہا ''چونکہ اس کا دل اس گاؤں میں پہنچ چکا مرتے دم اس گاؤں کی طرف خود کو ڈال کر مرا ہے اس لئے قلبی اعتبار سے وہ اس گاؤں میں پہنچ چکا لہٰذا اسے رحمت کی آغوش میں لوں گا۔ اللہ تعالی نے اس گاؤں کو جہاں پہنچنا مشروط تھا حکم دیا کہ تو اس تائب سے قریب ہو جا اور اس گاؤں کو جہاں اس کی نعش پڑی تھی حکم دیا کہ تو اس سے دور ہو جا پھر خداوند قدوس نے فرشتوں کو حکم دیا کیوں جھگڑتے ہو پیمائش کرلو؟ دونوں گروپ کے فرشتوں نے پیمائش کرنے پر مطلوبہ گاؤں سے ایک بالشت سے بھی کم دوری پائی تو اللہ تعالی نے سچے دل سے توبہ کرنے والے سو عدد کے قاتل مجرم کو معاف کر دیا۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ صدق دل سے توبہ کرنا بڑے بڑے گناہوں کا کفارہ ہو جاتا ہے۔

توبہ: معصیت سے اطاعت کی طرف رجوع کرنے اور معصیت کو معصیت سمجھ کر اس سے نادم ہونے اور دوبارہ ارتکاب نہ کرنے پر پختہ ارادہ کر لینے کو توبہ کہتے ہیں۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آقائے دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ''خدا کی قسم میں اللہ تعالی سے مغفرت طلب کرتا ہوں اور اس کی طرف توبہ کرتا ہوں ہر دن ستر مرتبہ سے زیادہ (بخاری شریف)

اس حدیث سے توبہ و استغفار کی فضیلت و اہمیت نمایاں ہو جاتی ہے لہٰذا ہر بندہ مومن کو چاہئے کہ وہ ہر دن زیادہ سے زیادہ ''استغفر الله ربی من کل ذنب و اتوب الیه'' پڑھا کرے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ہادی برحق صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''جب بندہ توبہ کرتا ہے تو پروردگار عالم اس شخص سے زیادہ خوش ہوتا ہے جو ایک چٹیل میدان میں فروکش تھا اور اس کی سواری پر اس کے کھانے پینے کے سامان تھے کہ وہ سواری غائب ہوگئی وہ اس سے ناامید ہو کر ایک درخت کے سایہ میں مرنے کے لئے لیٹ گیا وہ اس حال میں رہا کہ اچانک وہ سواری مع سامان موجود ہوگئی اس نے اس کی لگام پکڑی اور انتہائی خوشی کی حالت میں کہا۔ ''اللھم أنت عبدی و انا ربک'' اے اللہ تو میرا بندہ ہے اور میں تیرا رب ہوں حالانکہ اسے شکریہ میں یہ کہنا چاہئے ''اللھم انا عبدک و انت ربی'' اے اللہ میں تیرا بندہ ہوں اور تو میرا پروردگار ہے۔ شدت خوشی سے

خطا کر گیا (مسلم شریف)

ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا بیشک شیطان کہتا ہے کہ اے رب کائنات تیری عزت کی قسم میں تیرے بندوں کو گمراہ کرتا رہوں گا۔ جب تک ان کی روحیں ان کے جسموں میں ہوں گی تو اللہ تبارک وتعالی فرماتا ہے میری عزت، میرے جلال اور میرے ارتفاع مکان کی قسم میں انہیں معاف کرتا رہوں گا جب تک وہ مجھ سے مغفرت طلب کرتے رہیں گے۔ (احمد)

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ آقائے دوجہاں صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ایک شخص نے بیشمار گناہ کئے جب اس کے مرنے کا وقت آیا تو اس نے اپنے بیٹوں سے وصیت کی ''جب میں مرجاؤں تو مجھے جلا دینا اور میری راکھ کے مختلف حصے کو خشکی میں اور نصف کو سمندر میں اڑا دینا اس کے باوجود اللہ تعالی میرے عذاب پر قادر ہو تو دنیا والوں میں سب سے سخت عذاب کا مستحق ہوں گا''۔ جب وہ مر گیا تو اس کے بیٹوں نے وصیت کے مطابق جلا کر اس کی نصف راکھ خشکی میں اڑا دیا اور نصف سمندر میں بہا دیا۔ اللہ تعالی نے خشکی اور سمندر کو حکم دیا کہ اس کے منتشر اجزاء کو یکجا کرے۔ دونوں کے اکٹھا کردہ اجزاء میں روح ڈال کر اللہ تعالی نے پوچھا ''ایسا تو نے کیوں کیا''؟ اس نے عرض کیا ''اے اللہ تو علیم وخبیر ہے کہ میں نے تیرے خوف سے ایسا کیا'' خداوند قدوس نے اس کے گناہوں کو معاف کر دیا۔ (بخاری ومسلم)

سیدنا حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالی عنہ اپنے دور خلافت میں لوگوں کے حالات معلوم کرنے کے لئے راتوں کو اور دوپہر کے وقت گشت کیا کرتے تھے۔ ایک دن دوپہر کے وقت ایک گلی میں داخل ہوئے تو ایک نوجوان کو بغل میں شراب کی بوتل دبائے ہوئے دیکھا۔ حضرت عمر کی نظر اس پر پڑ گئی آپ نے اشارہ سے اسے بلایا۔ نوجوان نے سزا کے خوف اور شرم دامن گیر ہونے سے بارگاہ رب العزت میں دعاء کی ''رب العلمین میری عزت تیرے ہاتھ میں ہے اے معبود میں شراب پینے سے تائب ہوتا ہوں میرے اس بوتل کی شراب کو دودھ یا سرکہ سے بدل دے تاکہ جب عمر فاروق رضی اللہ عنہ مجھ سے پوچھیں کہ اس بوتل میں کیا ہے تو میں جواب دوں دودھ ہے اللہ تعالی نے اس کی توبہ کو قبول کیا اور شراب کو دودھ یا سرکہ سے بدل دیا۔ اس طرح حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی گرفت سے اس نے توبہ کی وجہ سے چھٹکارا پایا۔

مذکورہ بالا حدیثوں اور واقعات سے توبہ کی اہمیت وفضیلت روز روشن کی طرح عیاں ہو جاتی ہے اس لئے ہر مومن کو چاہئے کہ اگر اس سے کوئی گناہ سرزد ہو تو فوراً نادم ہو کر توبہ کرے اور پھر نہ کرنے کا عزم کرے اللہ تعالی اس کے گناہوں کو معاف فرمادے گا۔

# سکھ مذہب کا تعارف

علامہ سعید آسوی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

لفظ 'سکھ' سنسکرت زبان سے نکلا ہے جس کے معنیٰ 'شاگرد، چیلا یا طالب علم' کے ہیں۔ آبادی کے اعتبار سے دنیا کا چھٹا بڑا مذہب سکھ مذہب ہے۔ جس کے ماننے والے ۳۰ملین سے زیادہ ہیں۔ بدھ مت اور جین مت کی طرح سکھ مت بھی ہندومت سے ماخوذ ہے۔ تاہم ہندومت کی دیگر اصلاحی تحریکوں کے برعکس یہ مذہب اسلام کی کچھ تعلیمات کو بھی اپنے اندر سموئے ہوئے ہے۔ سکھ مت کی بنیاد 'بابا گرونانک' (۲۹ دسمبر ۱۴۶۹ء تا ۲۲ ستمبر ۱۵۳۹ء) نے ۱۵ ویں صدی عیسوی میں رکھی۔ گویا ان کی تاریخ زیادہ سے زیادہ ۵۰۰ سال کی ہے۔

بابا نانک کے والد کا نام مہتا کالو کھتری اور والدہ کا ماتا ترپتا تھا۔ والد پٹواری اور مرچنٹ تھے۔ اپنی بہن بے بے نانکی سے بہت محبت کرتے تھے۔ دہلی پر ابراہیم لودھی کے زمانہ حکومت میں ضلع شیخوپورہ میں 'تلونڈی' گاؤں ہوتا تھا، یہی بابا گرونانک کی جائے پیدائش ہے۔ اب اس کا نام ان کے نام پر 'ننکانہ' ہے جو ضلع بن چکا۔ یہاں سکھوں کا ایک بڑا گردوارہ ہے۔

گرونانک کی ۱۶ یا ۱۸ سال کی عمر میں شادی ہوئی۔ ایک تحقیق کے مطابق ۲۴ ستمبر ۱۴۸۷ء کو ماتا سلکھانی سے بٹالا میں ہوئی۔ اس شادی سے دو بیٹے پیدا ہوئے۔ پھر کاروبار کی غرض سے گھر چھوڑ کر سلطان پور چلے گئے۔ یاد رہے! بابا نانک پہلے ہندو تھے، پھر انہیں ہندو مذہب کی دو باتوں سے نفرت ہوگئی تھی، بت پرستی سے اور ذات پات کے فرق سے۔ چنانچہ ہندو مذہب سے پیچھے ہٹتے گئے۔ وہ صوفیائے اسلام بالخصوص حضرت بابا فریدالدین گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت میاں میر علیہ الرحمہ کی تعلیمات سے بھی متاثر تھے۔ وہ ہندو مذہب سے نکلے مگر مسلمان نہیں ہوئے۔ اگرچہ قرآن مجید، پیغمبرِ اسلام حضور صلی سید عالم اللہ علیہ وسلم اور اسلام کی متعدد باتوں کی تعریف کرتے ہیں۔ تیس برس کی عمر میں انہوں نے جنگل میں چلّے اور مراقبے کیے۔ پھر ایک 'سچے مذہب' کے دعویدار بن کر اپنے مستقل ساتھی مردانا کے ہمراہ اگلی کئی دہائیوں تک ہندوستان میں سفر کرتے رہے۔ انہوں نے ہندو مسلم اتحاد پر زور دیا۔ دونوں کا لباس گاہے بگاہے پہنا۔ ان کے ابتدائی پیروکار 'بھائی' کہلاتے تھے۔ (غالباً پانچویں گرو ارجن کے دور میں 'سکھ' کہلائے)۔ انہوں نے اپنی تعلیم قبول کرنے والوں کی برادریاں قائم کیں۔

**گرنتھ:** 'گرنتھ' سکھوں کی مقدّس کتاب ہے، جسے وہ زندہ گرو کہتے ہیں۔ یہ تعداد میں دو ہیں۔ ایک کا مؤلف سکھوں کا پانچواں گرو ارجن دیو (۱۶۰۶ء-۱۵۶۳ء) ہے۔ اور دوسری کا گرو گوبند سنگھ (۱۷۰۸ء-۱۶۶۶ء) جو آخری گرو تھا۔ دراصل پہلے گرو انگد نے گرونانک، کچھ صوفیاء اور دیگر لوگوں کے اشعار کو جمع کر کے ایک کتاب مدوّن کی تھی، جسے 'پوتھی' کہا جاتا تھا۔ پھر اس کے بعد گرو ارجن نے سابقہ تمام گروؤں اور اپنے کلام کو شامل کر کے ۱۶۰۴ء میں 'آدی گرنتھ' کے نام سے ایک کتاب مدوّن کی۔ اس کا دوسرا اور آخری خاکہ گرو گوبند سنگھ کے ہاتھوں تکمیل پایا۔ اس گرو نے اپنے والد گرو تیغ بہادر کا کلام بھی اس میں شامل کر کے قطعی شکل دے دی تھی۔ یہی نسخہ سکھوں کے نزدیک صحیح اور مستند ہے۔ اس میں سنسکرت بھی ہے، پنجابی بھی ہے، آیاتِ قرآنی بھی ہیں، احادیثِ رسول صلی اللہ علیہ واٰلہ وسلم بھی ہیں، بزرگوں کے اقوال

اور بابا فرید علیہ الرحمہ کی (۱۲۰ سے زاید) کافیاں بھی ہیں، ہندو مسلم اتحاد کے داعی کبیر (۱۴۴۰ءتا۱۵۱۸ء) کی تعلیمات بھی ہیں، زیادہ حصہ بابا گرونانک کی تعلیمات پر مشتمل ہے۔اس میں ۳۳۸۴ بھجن ہیں۔ یہ رگ وید سے سائز میں تین گنا بڑی ہے۔

**بابا گرونانک کی تعلیمات:** بابا نانک نے اسلام اور ہندومت سے اپنی تعلیمات کو مرتب کیا۔ دیگر مذاہب سے بھی کسی حد تک۔ اسلام سے انہوں نے توحید کی تعلیم حاصل کی۔ سکھ خدا کو 'سچا نام' کہتے ہیں۔ نانک نے کہا کہ 'سچا نام' پوری کائنات کا خالق ہے۔ اور یہ کہ انسان خدا کی سب سے اعلیٰ تخلیق ہے۔ ہندو مذہب کے برخلاف نانک نے جانوروں کو مارنے اور کھانے کی اجازت دی۔ البتہ ہندو جوگیوں کے طرزِ زندگی کو اختیار کیا۔ انہوں نے تجسیم نو کے اصول کو قبول کیا جو بیشتر ہندوستانی مذاہب کی بنیاد ہے۔ چنانچہ آج کے سکھ یہ یقین رکھتے ہیں کہ نانک کی روح گروؤں میں مجسّم ہوتی رہی۔ نانک ہندوؤں کے رسم ورواج سے بیزار تھے۔ ان کا کہنا تھا: 'وہ مقدس ندیوں میں نہاتے ہیں اور صندل کی خوشبویات وافر مقدار میں استعمال کرتے ہیں۔ جوگی خالقِ خدا پر غور وفکر کرتے ہیں جسے وہ اَن دیکھا کہتے ہیں۔ جس کی صورت لطیف، جس کا نام نور ہے۔ اور جو ان کے جسموں کی شبیہہ ہے'......(آسا کی وار، شلوک ۶)

نانک کی تعلیمات کے مطابق زندگی کا مقصد 'نروان' (انسان کی روح کا جسم سے نکل کر برہما کی ذات میں جاملنا) ہے۔ سکھ مت میں حلول واتحاد کا عقیدہ پایا جاتا ہے۔ جسم کے کسی بھی مقام کے بال کاٹنا اس مذہب کے خلاف ہے۔

طویل عرصہ سفر میں رہنے کے بعد بالآخر بابا نانک اپنے گھر کو لوٹے۔ جہاں ان کی تعلیمات جاری رہیں۔ یاد رہے! نانک جوگیوں کی طرح نگر نگر پھرے اور انہوں نے امن کی بہت بات کی۔ تاہم ان کے پیروکار سکھ ان کی تعلیمات کے برعکس (پانچویں گرو ارجن دیو (۱۵۶۳ءتا۱۶۰۶ء) کی جارحیت پسندانہ کارروائیوں کے بعد) اپنی تاریخ میں جنگجو کے طور پر پہچانے جانے لگے۔

ایک سکھ روایت کے مطابق نانک کی وفات کے وقت ہندوالاصل لوگوں نے انہیں جلانے کا منصوبہ بنایا۔ جبکہ مسلمانوں نے انہیں دفن کرنے کی خواہش کی۔ تب نانک نے کہا کہ دونوں گروہ ان کے پاس پھول رکھیں۔ جس گروہ کے پھول اگلے دن تک تازہ ہوں گے، وہ ان کے جسم کا حقدار ہوگا۔ سب راضی ہوگئے۔ ان کے پہلو میں پھول رکھ دیئے گئے۔ نانک نے خود کو ایک چادر میں لپیٹا اور فوت ہوگئے۔ اگلی صبح چادر ہٹائی گئی تو 'بھائیوں' نے دیکھا کہ دونوں گروہوں کے پھول تازہ تھے مگر نانک کا جسم غائب تھا۔ یوں نانک نے مرتے دم تک دونوں میں ہم آہنگی پیدا کرنے کی کوشش کی۔ (ایسی ہی کہانی کبیر کی موت کے بارے میں بیان کی جاتی ہے)

**سکھوں کا تاریخی ارتقاء:** ابراہیم لودھی نے بابا گرونانک کو گرفتار کرلیا تھا۔ چار پانچ مہینے قید رکھا۔ جب بابر نے سلطنت حاصل کی تو گرونانک کو رہا کردیا۔ بابا نانک کی وفات کے بعد ان کے جانشین 'گرو' کہلائے۔ 'گرو' مذہبی پیشوا کو کہتے ہیں۔ پہلے گرو گرو انگد، پھر گرو امرداس، گرو رام داس، گرو ارجن، گرو ہرگوبند، گرو ہررائے، گرو ہرکرشن، گرو تیغ بہادر اور آخر میں گرو گوبند سنگھ تک (بابا نانک کے بعد) ان کے نوگرو ہیں۔ آٹھویں اور نویں گرو کے قتل (۱۷۰۸ء) کے بعد سکھوں نے کسی شخص کو گرو بنانے کی بجائے گرنتھ کو گرو بنالیا کہ اسے کون قتل کرے گا۔ تب سے اب تک گرنتھ ہی ان کا گرو ہے۔ اسے 'گرو گرنتھ' کہتے ہیں۔ آخری گرو گوبند سنگھ نے سکھ جنگجوؤں کی ایک جماعت تیار کی جنہیں سنگھ (ببر شیر) کہا جاتا ہے۔

سات پشتوں تک سکھوں کے تعلقات مغلوں کے ساتھ ٹھیک رہے۔ اس عرصہ میں یہ منظّم بھی ہوچکے تھے۔ چنانچہ جب اورنگزیب

عالمگیر کا زمانہ آیا تو ان کے آٹھویں گرو رائے تیغ بہادر نے مغلوں کے ساتھ چھیڑ چھاڑ شروع کر دی۔ اورنگزیب کی اپنے بھائیوں داراشکوہ اور شجاع کے ساتھ لڑائیاں ہوئی تھیں۔ ان میں سکھوں نے داراشکوہ کا ساتھ دیا۔ داراشکوہ اور شجاع کو شکست ہوئی اور وہ قتل کر دیئے گئے۔ یہی سلوک سکھ گرو رائے تیغ بہادر کے ساتھ ہوا۔ اورنگزیب کے مقابل آنے کے سبب یہ زیرِ عتاب آئے لہٰذا اورنگزیب کے سخت مخالف ہیں۔

اورنگزیب کے بعد مغلوں کی حکومت کمزور ہوگئی۔ تب سکھ پنجاب میں پھیلنے لگے۔ انہوں نے قوّت حاصل کی اور خودمختار ہونے لگے۔ مذہب کا آغاز ننکانہ سے اور ریاست کا آغاز گوجرانوالہ سے کیا۔ معروف جنگجو رنجیت سنگھ گوجرانوالہ میں پیدا ہوا تھا۔ اس کے باپ مہان سنگھ کی مڑھی (ہندو مردے کو جلا کر اس کی راکھ مٹی کے برتن میں محفوظ کر کے جہاں دفن کرتے ہیں) شیرانوالہ باغ گوجرانوالہ میں ہے۔ ابتداء میں رنجیت سنگھ ایک مسل (گاؤں) کا حاکم تھا۔ بعد میں اس کی اور دیگر کی قیادت میں سکھوں نے لاہور پر قبضہ کیا۔ ایک طرف ملتان تک، پھر انبالہ لدھیانہ تک، شمال میں ہزارہ، ڈیرہ اسمٰعیل خان، ڈیرہ غازی خان، مردان، بنوں، گلگت، پشاور، کشمیر پر انہوں نے تسلط حاصل کیا۔ عروج کے زمانہ میں رنجیت سنگھ ملتان سے کابل تک کا حکمران تھا۔ پنجاب کی مسجدیں ویران کر دی گئیں۔ بادشاہی مسجد ان کے گھوڑوں کا اصطبل بنی۔ ۱۸۴۵/۴۶ء میں انگریزوں نے ان سے یہ علاقے دوبارہ چھین لیے۔ اس کے بعد سکھوں کی زیادہ لڑائیاں مسلمانوں سے ہوئیں۔ جبکہ انگریز عموماً تماشا دیکھتا رہا اور کہیں سکھوں کا حامی بنا رہا۔ قیامِ پاکستان کے موقع پر مشرقی پنجاب میں سکھوں کی جبکہ مغربی پنجاب میں مسلمانوں کی حکومت تھی۔ تب متعدد بڑوں نے کوشش کی کہ پنجاب کی تقسیم نہ ہو، اور سکھ مسلمان اکٹھے رہیں لیکن سکھوں نے انکار کر دیا۔ اگر سکھ مان جاتے تو نتیجتاً مشرقی پنجاب اور مغربی پنجاب دو علیحدہ صوبے بن جاتے، خون ریزی بھی نہ ہوتی، اور نہ ہی کشمیر کا مسئلہ پیدا ہوتا۔ ان کے بڑے لیڈر اور پنجاب اسمبلی کے رکن ماسٹر تارا سنگھ نے اسمبلی کے باہر تلوار لہرا کر کہا تھا کہ ہم اس تلوار کے ساتھ پاکستان کو روکیں گے۔ چنانچہ قیامِ پاکستان کے وقت یہ تلوار بہت چلی اور مسلمانوں کا جو سفاکانہ قتلِ عام ہوا، وہ ان کے ماتھے پر ایک بڑا داغ ہے۔

سکھ ہندوستان کا حصہ ہیں لیکن اس پر مطمئن نہیں۔ ایک دَور میں انہوں نے 'خالصتان' کی تحریک شروع کی۔ 'خالصہ' ان کی اصطلاح میں بہادر آدمی کو کہتے ہیں۔ 'سنگھ' شیر کو کہتے ہیں۔ سکھوں نے ایک دور میں قادیانیوں سے گٹھ جوڑ کیا۔ مرزا قادیانی نے بابا گرونانک کو پیغمبروں کی فہرست میں لکھا ہے۔ لندن میں قادیانیوں اور سکھوں نے مل کر خالصتان کی تحریک چلائی۔ پاکستان اور انڈیا سے بین الاقوامی سطح پر مطالبہ کیا گیا کہ ننکانہ اور قادیان کو اوپن سٹی قرار دیا جائے۔ یعنی اندرونی خودمختاری دی جائے جہاں ان کی اپنی حکومت ہو۔ تاہم جلد ہی انہوں نے محسوس کیا کہ قادیانیوں کو ساتھ ملانا زیادہ فائدہ مند نہیں۔ تاہم کسی نہ کسی شکل میں ان کا باہمی تعاون جاری رہا۔ سکھ اپنی آزاد ریاست چاہتے ہیں۔ جنرل ضیاء الحق نے ان کو سپورٹ بھی کیا۔ لیکن ان کی شہادت کے بعد سکھوں کی تحریک ناکام رہی۔ صورتحال یہ ہے کہ کشمیر والے تو لڑ رہے ہیں، لیکن سکھ لڑ نہیں رہے، اگرچہ ایک آزاد ریاست ان کا خواب ہے۔

سکھوں کی زیادہ آبادی مشرقی پنجاب (انڈیا) میں ہے۔ برطانیہ میں بھی ان کی ایک بڑی آبادی ہے۔ مشرقی پنجاب کے بعد ان کا سب سے بڑا مرکز کینیڈا میں ہے۔ وہاں کی سیاست میں یہ خاصے متحرک ہیں۔ تقریباً چار سال پہلے کینیڈا نے پنجابی کو دوسری سرکاری زبان کا درجہ دے دیا ہے۔ برمنگھم میں بھی ان کا گردوارہ بہت پر ہجوم ہے۔

**سکھوں کی مذہبی علامتیں:** سکھوں کی کچھ علامتیں بھی ہیں۔ جنہیں 'پنج ککے' کہا جاتا ہے۔ یعنی کاف سے شروع ہونے

والی پانچ چیزیں: کڑا، کنگھا، کیس، کچھا اور کرپان۔ کڑا ہاتھ میں ضرور پہنتے ہیں۔ کنگھا بھی لازمی ان کے پاس ہوتا ہے۔ مذہبی طور پر جسم کا کوئی بال کاٹنا جائز نہیں سمجھتے۔ بڑے بڑے بالوں کا جوڑا بناتے ہیں۔ کرپان پاس رکھتے ہیں جو کہ ایک چھوٹی تلوار یا ایک بڑا خنجر ہے۔ کچھا (انڈرویئر) پہنتے ہیں۔ یونہی داڑھی کے ساتھ کیس یا پگڑی بھی لازمی ہے۔ پگڑی باندھنے کا حق برطانیہ اور پھر امریکہ میں بھی منوایا ہے۔ سکھ بولتے پنجابی لیکن لکھتے گرمکھی میں ہیں۔

**جدید سکھ مت:** جدید سکھ مت کے مرکزی ڈھانچے میں تین فرقے ہیں۔ ہر فرقہ نانک کو اپنا مذہبی پیشوا، گرنتھ کو مقدس تحریر اور دس گروؤں کو الہام یافتہ مانتا ہے۔

پہلا فرقہ اُداسی (الگ تھلگ رہنے والے) کہلایا۔ یہ ان کے مقدس افراد کا ایک سلسلہ ہے۔ گرونانک کا سب سے بڑا بیٹا سری چند (۱۴۹۴ء-۱۶۴۳ء) ان کا جدامجد تھا جسے گروامرداس نے برادری سے نکال دیا تھا۔ اس فرقے کے زیادہ تر پیروکار مجرّد رہتے، بدھ بھکشوؤں کی طرح کھردرے پیلے کپڑے پہنتے یا جین جوگیوں کی طرح برہنہ پھرتے ہیں۔ واحد شے جو یہ اپنے پاس رکھتے کشکول ہے۔ یہ سرگرم مبلغین کی جماعت ہے جو لوگوں کو اپنے مذہب کی طرف مائل کرنے کی کوشش کرتی ہے۔ اُداسی 'نانک پترا' بھی کہلاتے ہیں۔ یہ فرقہ شمالی ہندوستان سے پروان چڑھا۔ انہیں ۱۸ ویں صدی میں اہم مقام اور مقدس مقامات پر کنٹرول ملا۔ ان کی مذہبی رسومات سکھ مت اور ہندومت دونوں پر مشتمل ہے، جس میں بت پرستی بھی شامل ہے۔ ۱۹ ویں صدی کے آخر میں 'سنگھ سبھا موومنٹ' سے پہلے تک ان کا عروج رہا۔ تاہم ۲۰ ویں صدی کی 'اکالی تحریک' کے دوران خالصہ سکھوں نے سکھ مذہب سے ان کو بے دخل کر دیا۔ اس تنازعہ میں اداسیوں نے خود کو سکھوں کی بجائے ہندو مانا۔ اس فرقے سے وابستہ مذہبی مقامات 'سمادھی' کہلاتے ہیں۔ پاکستان میں ڈسکہ کے ایک نواحی گاؤں 'ٹھکرکے' میں ان کی تین سمادھیاں اور ایک دھرمشالہ ہے جسے کچھ لوگ گوردوارہ بھی کہتے۔ ان عمارات کے گرد چاردیواری بھی تھی مگر وقت کے ساتھ مسمار ہونے کے بعد صرف ایک دیوار باقی ہے۔ ایک سمادھی علیحدہ نظر آتی ہے۔

دوسرا فرقہ 'نانک پنتھی' یا 'سہج دھاری سکھ' (سست رو) ہے۔ یہ جارحیت پسندی جو سکھوں کی خصوصیت بن چکی تھی، کے ردّعمل میں سامنے آئے۔ یعنی جارحیت کے خلاف ہیں۔ داڑھی منڈواتے ہیں۔ بحیثیت سکھ گوبند سنگھ سے پہلے ان کی ترقی ختم ہوتی محسوس ہوتی ہے۔

تیسرا فرقہ سنگھ یا خالصہ یا کیسا دھاری ہے۔ جس کا ذکر اوپر ہوا۔ گرو گوبند سنگھ نے ۳۰ مارچ ۱۶۹۹ء کو آنندپور میں بنیاد رکھی۔ خیال رہے کہ سکھ گوردوارہ ریفارم ایکٹ ۱۹۲۵ء میں 'سکھ' کی اصطلاح کی اس طرح تعریف کی گئی کہ جس میں اداسی، نانک پنتھی اور دوسرے گروہوں کو خارج کر دیا گیا۔

**سکھوں کے معمولات:** ایک سکھ کی روزمرہ زندگی میں صبح سویرے اشنان (غسل) شامل ہے۔ اس کے بعد مخصوص بھجن گاتے ہیں اور دعائیں پڑھی جاتی ہیں۔ رات کو بھی بھجن اور دعاؤں کی ایک رسم ہوتی ہے۔ اجتماعی عبادت کے لیے گوردوارے میں اکٹھے ہوتے ہیں۔ ان عبادت گاہوں میں مرکزی عبادت گرنتھ کو پڑھنا ہوتا ہے۔ سکھوں میں کوئی بھی فرد رسومات کو ادا کر سکتا ہے۔ وعظ اور لنگر بھی ان مذہبی اجتماعات کا حصّہ ہوتے ہیں۔ کوئی شخص سکھ خاندان میں پیدا ہو کر نہیں بلکہ پختہ عمر میں پاہل (بپتسمہ) لینے کے ذریعے ہی سکھوں میں شامل ہو سکتا ہے۔ اس رسم میں میٹھے پانی کے پیالے میں کرپان پھیر کر اس پانی کے چھینٹے اس گویا نئے سکھ پر سکھ عقیدے کی سچائی کی تعلیم

دیتے ہوئے مارے جاتے ہیں۔

اگرچہ نانک نے مخصوص زیارت سے منع کیا تھا تاہم سکھ اپنی زندگی میں کم از کم ایک مرتبہ امرتسر میں گولڈن ٹمپل (ہری مندر) کے 'تخت' کی زیارت کو پسند کرتے ہیں۔ امرتسر کا معنیٰ چشمۂ آبِ حیات ہے۔ تیسرے گرو امرداس نے نانک کی زندگی سے وابستہ ایک مقام کو جہاں قدرتی پانی کا ایک چشمہ تھا، اکبر بادشاہ سے خرید کر وہاں ایک شہر کی بنیاد رکھی۔ اور اس چشمہ کو ایک بڑے تالاب کی شکل میں بنوا دیا۔ بعد میں یہ تالاب 'امرت سر' کے نام سے مشہور ہوا اور شہر کا بھی یہی نام پڑ گیا۔ پانچویں گرو ارجن دیو نے یہاں سکھوں کے لیے ایک مرکزی عبادت گاہ 'ہری مندر' کی تعمیر کرائی۔ اسے دربار صاحب بھی کہتے ہیں۔ اس کی زیارت اور یہاں غسل گناہوں سے معافی کا ذریعہ ٹھہراتے ہیں۔

## سکھوں کے سات اہم ترین مذہبی مقامات

**(۱)۔ہری مندر یا گولڈن ٹمپل:** اس کا ابھی ذکر ہوا۔ یہاں اتنا اور جان لیں کہ ہری مندر کو گولڈن ٹمپل اس لیے کہتے کہ رنجیت سنگھ نے ۴۰۰ کلوگرام سونا تحفتاً بھیج کر ہری مندر کو سونے میں بنوایا۔

**(۲)۔اکال تخت:** یہ ہری مندر کی عمارت ہی کا حصہ ہے۔ اکال تخت کا مطلب 'خدا کا تخت' ہے۔ گرو ہرگوبند نے اس 'اکال تخت' کی بنیاد رکھی۔ اسے تختِ دہلی سے اڑھائی فٹ اونچا رکھا گیا تھا۔

**(۳)۔تخت شری پٹنہ:** انڈیا کی ریاست بہار کے شہر پٹنہ میں واقع ہے۔ یہ گرو گوبند سنگھ کی جائے پیدائش ہے۔ جس نے پانچ سال یہاں گذارے۔ رنجیت سنگھ نے اسے تعمیر کروایا۔

**(۴)۔تخت شری دمدمہ:** یہ انڈیا کے پنجاب کے علاقے بھنڈہ میں ہے۔ یہاں گرو گوبند سنگھ نے ۱۷۰۵ء میں گرنتھ کی تکمیل کی تھی۔

**(۵)۔تخت شری حضور:** انڈیا کی ریاست مہاراشٹر کے شہر ناندیڑ میں دریائے گوداوری کے کنارے واقع ہے۔ یہ گرو گوبند کا مقامِ وفات ہے۔ ۱۸۳۲ء سے ۱۸۳۷ء کے دوران رنجیت سنگھ کے حکم پر اسے تعمیر کیا گیا۔

**(۶)۔دربار صاحب ننکانہ:** پاکستان کے صوبہ پنجاب کا ضلع ننکانہ دنیا بھر میں گرونانک کی پیدائش کے سبب شہرت رکھتا ہے۔ تو جس مقام پر ان کی پیدائش ہوئی اور بچپن گذرا، وہاں پر اب دربار صاحب ننکانہ قائم ہے۔ یہیں سے گرونانک نے سکھ مذہب کا آغاز کیا تھا۔

**(۷)۔دربار صاحب کرتارپور:** کرتارپور پاکستان کے صوبہ پنجاب کے ضلع نارووال کا ایک سرحدی علاقہ ہے۔ سکھ مذہب کے بانی بابا گرونانک نے اپنی زندگی کے آخری ایام اسی مقام پر گذارے۔ نانک ۱۵۲۱ء میں اس جگہ آئے اور یہیں ۲۲ ستمبر ۱۵۳۹ء کو وفات پائی۔ کرتارپور میں گردوارے کی اوّلین تعمیر پٹیالہ کے مہاراجہ بھوپندر سنگھ بہادر نے ۱۹۲۱ء تا ۱۹۲۹ء کے درمیان کروائی۔ جبکہ حال ہی میں وزیراعظم پاکستان عمران خان نے اس کی تعمیر نو پر اربوں روپے لگا کر اس کی عمارت کو دیدہ زیب بنا دیا ہے۔ جبکہ قریب ہی انڈیا کی طرف راہداری دے کر سکھوں کو بہت بڑی سہولت فراہم کر دی ہے۔

# طلبۂ مدارس اور ان کی ذمہ داریاں

مولانا محمد ناصر صاحب

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مدارس اسلامیہ کے طلبہ کے حال و مستقبل کو لے کر لوگ اپنے اپنے علم و تجربات اور قیاس و خیال کے مطابق اظہار خیال کرتے رہتے ہیں اور عام طور پر بے چینی و بے اطمینانی ظاہر کرتے ہیں۔ مگر اس سلسلے میں میرا خیال بہت مختلف ہے۔ میں طلبہ مدارس کے اندر شعوری پختگی اور تہذیبی شائستگی کی چمک دیکھتا ہوں اور شخصی تعمیر و ترقی کے جذبے کے ساتھ دینی ملی فروغ اور جماعتی ارتقا کی تمنا محسوس کرتا ہوں۔ میں انھیں اقتصادی لحاظ سے بھی کم تر نہیں سمجھتا۔ یہ بے چارے پہلے ہی غریب گھروں سے آتے ہیں، پھر مدرسے کی دینی تعلیم حاصل کر کے بہت زیادہ دولت ہرگز نہیں حاصل کر سکتے اور خاص کر سرمایہ داری کے اس دور میں کہ پیسے سے پیسا کمایا جا رہا ہے۔ دست کاری یا ہاتھ کی کمائی سے تو آدمی گزر بسر ہی کر سکتا ہے۔ مدارس کے طلبہ کھانے کمانے والی تعلیم یوں بھی نہیں حاصل کرتے اور پیشہ وارانہ علوم نہیں سیکھتے۔ بنیادی طور پر وہ دین و شریعت کی باتیں سیکھتے ہیں، جو مادیت سے دور، راست علمی و اخلاقی اقدار پر مشتمل ہوتی ہیں۔ البتہ میں طلبہ مدارس کو ضروری ہدایات و معلومات کا ضرورت مند ضرور سمجھتا ہوں۔ میں محسوس کرتا ہوں کہ نظام تعلیم یا نصاب تعلیم میں بڑی تبدیلی کی ضرورت نہیں، بلکہ ان کی منصوبہ بندی اور مثبت رہ نمائی ہونی چاہیے۔ انشاء اللہ جلد ہی اس کے حوصلہ افزا نتائج نکلیں گے اور سب کچھ ٹھیک ٹھاک ہو جائے گا۔ میرے نزدیک طلبہ مدارس وہ سونا ہیں جس پر ہلکی سی گرد پڑی ہوئی ہے، جسے جوہری آسانی سے کھرا ثابت کر دے گا، یا پھر وہ مٹی ہیں جو ذرا سی نمی پا کر بڑی زرخیز ثابت ہوگی۔ ذیل میں اسی جذبے کے تحت کچھ رہنما باتیں ذکر کی جا رہی ہیں۔ امید ہے طلبہ کرام استفادہ فرمائیں گے۔

**محنت سے دینی تعلیم حاصل کریں:** سب سے پہلے طلبہ مدارس پر یہ ضروری ہے کہ وہ محنت سے دینی تعلیم حاصل کریں کیوں کہ خوش قسمتی سے مدارس میں وہ اسی لئے آئے ہیں اور یہ یقین رکھیں کہ محنت ہی کامیابیوں کا راز ہے اور تمام تر سرفرازیاں محنت ہی کی پیداوار اور اس کی خانہ زاد ہیں۔ علم دین کے لیے محنت آپ کو زبردست عالم و فاضل اور مدرس و محرر بنا سکتی ہے، اور فضل و کمال تو جس میدان میں حاصل ہو جائے آدمی سرخرو اور سربلند ہو جاتا ہے۔ پھر دینی علم تو وہ نور ہے جو پوری شخصیت کو جگمگا دیتا ہے، ہر مقام پر کام آتا ہے اور ہر مقصد کے لیے معاون قرار پاتا ہے۔ عالم دین کبھی بھٹک نہیں سکتا، وہ دوسروں کے لیے بھی نشان منزل اور رنما ستون ثابت ہوتا ہے۔ یہ سوچ سخت مضر ہے کہ فراغت کے بعد مجھے پڑھانا نہیں ہے، اس لیے محنت کر کے کیا ہوگا۔ یہ سات آٹھ سالہ مدت کو یوں ہی گنوانا اور ضائع کرنا ہے۔ اس سے نہ گھر والے خوش ہو سکتے ہیں، نہ قوم، نہ اساتذہ۔ یہ قوم کے پیسے کو مفت میں اڑانا اور ان کی توقعات کی تذلیل کرنا ہے۔ اگر ہم علوم دین کے لیے کی گئی کوششوں اور محنتوں کا سرسری جائزہ لیں تو معلوم ہوگا کہ صرف دینی تعلیم ہی نے کتنوں کو عالمی شخصیت بنا دیا اور رشک و حسد کے قابل اور عزت و شہرت سے ہم کنار کر دیا اور اب سماج پر ان کا قبضہ ہے، سیاست و حکومت پر ان کا دبدبہ ہے۔ وہ جہاں رہتے ہیں، مرکز توجہ بنے رہتے ہیں جہاں جاتے ہیں گہما گہمی لے جاتے ہیں، انھیں احترام و عقیدت کی نظروں سے دیکھا جاتا ہے، ان کے اشارہ ابرو کی توقع کی جاتی ہے۔ خلاصہ یہ کہ محنت و کاوش سے علم دین حاصل کرنے والے عظیم شخصیت اور مثالی کردار ثابت ہوتے ہیں اور ہو رہے ہیں۔ اس لیے دینی تعلیم کے لیے محنت و کوشش کرنے میں سستی و کوتاہی قطعاً نہیں ہونی چاہیے۔

عام مطالعے کی عادت ڈالیں: تعلیم یافتہ با ذوق حضرات کے لیے کتب بینی اور مسلسل مطالعہ عظیم روحانی غذا اور زبردست علمی تسکین کا باعث ہے۔ پڑھے لکھے اشخاص کے لیے مسلسل مطالعہ اور کتب بینی سے مفر نہیں۔ چناں چہ مطالعے کی اہمیت کو سمجھیں اور ہمیشہ مطالعے کی عادت

ڈالیں، کتابوں کو دوست بنائیں۔

**اردو، عربی، انگریزی درست کریں:** طلبہ مدارس اردو، عربی اور انگریزی تینوں زبانوں پر خصوصی توجہ دیتے رہیں اور تینوں زبانوں میں مشق ومز اولت جاری رکھیں۔ مدارس میں عربی تو پڑھائی ہی جاتی ہے، اس لیے عربی میں کمی اور کم زوری ہونا ہی نہیں چاہیے۔ قصہ قدیم وجدید میرے نزدیک بے معنی ہے۔ صرف نصابی کتابیں ڈھنگ سے پڑھ لی اور حل کر لی جائیں۔ انشاء اللہ کبھی کوئی پریشانی نہیں آئے گی۔ انگریزی بھی پڑھائی جانے لگی ہے، مگر اس کی تعلیم قابل اطمینان نہیں ہوتی۔ یہی بات اردو کے تعلق سے بھی کہی جا سکتی ہے۔ اس لیے ان دونوں زبانوں پر خصوصی محنت صرف کریں۔ اردو کی ادبی وشعری کتابیں برابر مطالعے میں رکھیں۔ اس سے طبیعت میں لطیف ذوق اور خوش گوار احساس پیدا ہوگا۔ املا اور تذکیر وتانیث کی صحت پر گرفت مضبوط کریں۔ انگریزی کم از کم اتنی سیکھ لیں کہ تقریباً انگریزی اخبار پڑھنا اور سمجھنا آجائے۔ مدارس میں بعض طلبہ عربی سے اور بعض انگریزی سے کتراتے اور کنارہ کش رہتے ہیں حتی کہ ابتدائی انداز کے معمولی جملے بھی نہیں بنا سکتے۔ یہ افسوس ناک بات ہے۔ عربی وانگریزی سے فرار سرتا سر نقصان وخسران ہے۔ یہ عالمی پیمانے پر دو بڑی رابطے کی زبانیں ہیں۔ بہ کثرت ممالک میں بولی جاتی ہیں۔ ان کے بغیر صحیح یہ ہے کہ بڑی سطح پر نہ خدمت دین کی جا سکتی ہے اور نہ کسب معاش۔ دوسروں کو مانوس ومتاثر بھی نہیں کیا جا سکتا۔ اردو بھی بڑی رابطے کی زبان ہے۔ اردو سے وابستگی مادری زبان ہونے کی حیثیت سے بھی ضروری ہے۔ پھر یہ آپ کی تہذیب کا ایک حصہ بھی بن چکی ہے، جسے آپ کو زندہ رکھنا ہے۔ اردو کے بغیر آپ برصغیر کے بڑے علمی وادبی حلقے سے بھی کٹ جائیں گے۔ اردو میں آپ کو بہت کچھ لکھنے کی ضرورت ہوگی، مگر آپ اچھا نہیں لکھ سکتے، لوگ اسے پڑھنے کی کم ہی زحمت اٹھائیں گے۔ آپ کی تحریریں بے مزہ ہو کر رہ جائیں گی۔ تینوں زبانیں سیکھنے کا بڑا فائدہ یہ بھی ہوگا کہ آپ انھیں اپنا ذریعہ معاش بھی بنا سکتے ہیں۔ اخبارات ورسائل کے ادارتی عملے سے جڑ سکتے ہیں۔ بولنے کی اچھی مشق ہو تو ریڈیو اور ٹی وی کے لیے بھی دستیاب ہو سکتے ہیں۔ تجارتی کمپنیوں اور علمی اداروں میں کام کر سکتے ہیں۔ ہر ملک میں دوسرے ملکوں کے سیکڑوں سفارت خانے ہوتے ہیں، وہاں بھی ترجمہ نگاری کے امور وغیرہ انجام دے سکتے ہیں۔ انٹرنیٹ کنکشن لے کر گھر بیٹھے بھی ضرورت مندوں سے رابطہ کر کے بیسیوں ہزار کی ماہانہ ترجمہ نگاری کر سکتے ہیں اور لوگ ایسا کر بھی رہے ہیں۔ طلبہ سوچ سکتے ہیں، یہ سب کون کرے گا؟

فی الحال سوال یہ ہے کہ آپ خود کفیل کیوں نہیں بننا چاہتے؟ میڈیا سے بھی قریب یا مربوط رہیں گے، لکھنے پڑھنے سے بھی رابطہ رہے گا اور بسا اوقات انداز تحریر وطریقہ تعبیر سے لوگوں کی اچھی ذہن سازی بھی کر سکتے ہیں اور غلط فہمیوں وگم راہیوں سے بھی بچا سکتے ہیں۔ مختلف علمی واقتصادی میدانوں میں بھی پھیلیں گے اور نظر آئیں گے جو بذات خود خوش کن اور خوش گوار بات ہے۔ خدمت دین کا جذبہ رکھنے والے خدمت دین بھی کر سکتے ہیں۔ حضرت مولانا یٰسین اختر مصباحی صاحب نے ایک موقع پر تفسیر، حدیث، سیرت پر جماعتی سطح پر کچھ کام نہ کیے جانے نیز عرب ممالک میں جماعتی سطح کی دینی وعلمی خدمات کے متعارف نہ ہونے پر افسوس ظاہر کرتے ہوئے فرمایا کہ اگر ڈھنگ سے فتاوی رضویہ کی پہلی جلد کا عربی میں ترجمہ ہی کر ڈالا جائے تو عربوں میں علمی خدمات کے اعتراف کے لیے صرف اتنا ہی کام کافی ہوگا۔ عربی زبان وادب سے شناسائی بہت ضروری ہے۔ کمپیوٹر بھی ایک مستقل سیکھنے کی چیز ہے اور زمانے کے لحاظ سے ایک مستقل ضرورت ہے۔ طلبہ اس کی تعلیم سے بھی غافل نہ رہیں۔ مدارس میں کمپیوٹر کی تعلیم دی جانے لگی ہے مگر عموماً وافر کمپیوٹر دستیاب نہیں ہوتے جس کی وجہ سے تعلیم قابل اطمینان نہیں ہوتی۔ ذمہ داران مدارس کو اس طرف توجہ کرنے کی ضرورت ہے۔ یہ طلبہ کے مستقبل کا مسئلہ ہے، کوئی معمولی بات نہیں؟

**اسکولوں اور کالجوں سے بھی کچھ کچھ کرتے رہیں:** طلبہ کو چاہیے کہ مدارس میں رہتے ہوئے علوم دینیہ کی تحصیل بھی محنت سے کرتے رہیں اور آس پاس کے کالجوں اور اسکولوں سے بھی کچھ نہ کچھ کرتے رہیں۔ علوم دینیہ کی دنیا میں بلاشبہ علم ولیاقت ہی سب کچھ ہے مگر دنیاوی لحاظ سے کالجوں اور یونیورسٹیوں کی اسناد ودستاویزات کی اہمیت زیادہ ہے۔ کالجوں اور یونیورسٹیوں کی اسناد ودستاویزات کے بغیر آپ کی کوئی اہمیت نہیں۔ سرکار کے

رجسٹر میں آپ تعلیم یافتہ مندرج نہیں ہو سکتے کتنی ہی مراعات تعلیم یافتہ افراد کے لیے خاص ہوتی ہیں۔حکومتی سطح پر انھیں عزت و وقار کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔انھیں قابل قدر مناصب پر سرفراز کیا جاتا ہے۔مگر آپ ان سب سے دور اور محروم رہیں گے۔اس لیے نہیں کہ آپ کے پاس علم ولیاقت نہیں، بلکہ اس لیے کہ آپ کے پاس مطلوبہ دستاویزات و مستندات نہیں۔اس لیے دنیاوی تقاضوں اور ضرورتوں کے پیش نظر ان کی فراہمی و دستیابی ناگزیر ہے۔عربی و فارسی بورڈ لکھنو وغیرہ کے امتحانات سے تو کوئی غفلت سستی برتنی ہی نہیں چاہیے اور یہ خام خیال چھوڑ دینا چاہیے کہ ہمیں ان سب کا کرنا کیا ہے۔ہمیں تو سیدھے مدرسے میں پڑھانا ہے۔فراغت کے بعد فوراً ان کی اہمیت محسوس ہونے لگے گی،اور پھر پچھتانے سے کچھ نہیں ہوگا۔اساتذہ سے بھی ملتمس ہوں گا کہ وہ طلبہ کو ان باتوں سے مسلسل آگاہ فرماتے رہیں۔مجھے یہاں یہ لکھتے ہوئے افسوس ہو رہا ہے کہ بعض مدارس میں اس جانب راہنمائی تو درکنار،ایسا کچھ بھی کرنے پر پابندی لگی ہوئی ہے اور اس تعلق سے ذرا سی بھی سرگرمی و پیش قدمی قابل نفرت ولائق اخراج جرم گردانی جاتی ہے۔بعض دانش وروں کا کہنا ہے کہ اس طرح کرنے پر لڑکے بی اے اور ایم اے ہی کے چکر میں لگ جائیں گے اور اسی کو ہدف ومقصد بنالیں گے، جب کہ کچھ دیگر عقل مندوں کا خیال ہے کہ یہ قوم کے پیسے سے پل کر اپنا الو سیدھا کرنا ہے۔یہ نمک حرامی ہے،بغاوت ہے وغیرہ۔خیر یہ تفصیل طلب موضوع ہے،جس پر انشاءاللہ پھر کبھی گفتگو ہوگی۔

**اچھے لوگوں سے ملتے رہیں:** اچھے لوگوں سے مراد مختلف میدانوں کے مختلف لوگ ہیں۔لہٰذا یہ اچھے لوگ دینی مدارس کے علماء واساتذہ بھی ہو سکتے ہیں اور عصری جامعات کے معلمین و پروفیسران بھی۔اخبارات ورسائل کے صحافیان و مدیران بھی ہو سکتے ہیں اور سیاسی میدانوں کے زعما ولیڈران بھی ان کے علاوہ بھی طلبہ کو بلا جھجک اور بلا امتیاز ہر اچھے شخص سے ملنے اور بات چیت کرنے کی عادت اختیار کرنی چاہئے۔اچھے لوگوں کے بیانات اور تحریریں بھی گوش گزار اور نظر نواز کرنی چاہئیں اور ان کی سوانح حیات بھی۔ان سب میں خاص کر یہ تلاش کرنا چاہئے کہ وہ کیوں کر کامیاب ہیں اور ہم کس طرح کامیاب ہو سکتے ہیں۔عصری اداروں میں جانا اور وہاں مختلف طلبہ سے تبادلہ خیال کرنا بھی فائدہ مند ہوگا۔عصری اداروں کے ماحول کو قریب سے دیکھنے اور سمجھنے کا موقع ملے گا۔طلبہ جامعات کے ذہنی میلانات ورجحانات سے آگاہی حاصل ہوگی۔دنیاوی ضرورتوں اور دینی قدروں کی اپنی اپنی اہمیت کا احساس وادراک ہوگا۔اپنے مستقبل کی سمت قبلہ بھی درست تر کرنے میں مدد ملے گی اور اس سلسلے میں سنجیدہ غور وفکر کا موقع دستیاب ہوگا۔مدارس میں رہتے ہوئے طلبہ کے سامنے محدود امکانات ہی ہوتے ہیں جب کہ طلبہ کے مزاج وطبیعت میں بڑا اختلاف وتنوع پایا جاتا ہے۔نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ نہایت ہی کم طلبہ فطری طور پر مناسب اہداف متعین کر پاتے ہیں جب کہ طویل ماحولیاتی اثر پذیری کے نتیجے میں طلبہ کی بڑی تعداد طرتا غیر مناسب مقصد وہدف طے کر لیتی ہے اور اتنی ہی بڑی تعداد مسلسل کش مکش کا شکار رہتی ہے اور جب یہ طلبہ دینی تعلیم سے فارغ ہوتے ہیں تو خود کو ایسے چوراہے پر کھڑا محسوس کرتے ہیں جہاں سے کسی بھی راستے پر جانا اور کسی بھی راستے پر نہ جانا دونوں برابر معلوم ہوتا ہے۔وہ نہ خود کو کسی منزل پر محسوس کرتے ہیں اور نہ کسی سمت منزل پر۔ان کی زندگی یہاں بکھر کر رہ جاتی ہے۔اس وقت ان کی سمجھ میں نہیں آتا کہ وہ کیا کریں۔اس لیے طلبہ کرام سے مخلصانہ ودردمندانہ گزارش ہے کہ وہ مستقبل کی طرف سے بے فکر نہ رہیں۔وہ مدارس میں پڑھتے بھی رہیں اور جو کرنے کے لیے ان سے کہا جا رہا ہے اسے بھی کریں اور چل پھر کر ماحول کو دیکھتے اور سمجھتے بھی رہیں اور یہ خیال ترک کر دیں کہ انھیں صرف مسجد یا مدرسے میں رہنا ہے،کسی اور میدان میں جانا ہی نہیں۔یہ سوچ غلط اور یہ فیصلہ قبل از وقت ہے۔ناچیز نے یہ کثرت طلبہ سے مل کر ہی یہ نتیجہ نکالا ہے۔

**ہدف متعین کریں:** ہدف متعین کرنے کا مطلب ہے یہ طے کرنا کہ بنیادی طور پر آئندہ زندگی کس نہج پر گزارنا ہے۔ہدف کی تعیین بہت ضروری ہے۔اس کے بغیر زندگی کبھی منظم نہیں گزاری جا سکتی اور کبھی مستقل ومستحکم نہیں رہا جا سکتا۔ہدف کی تعیین کے سلسلے میں ضروری ہے کہ کامل غور وفکر اور سنجیدگی ومتانت سے پہلے جادہ ومنزل کی تعیین کی جائے اور اس کے بعد دماغ ادھر ادھر نہ دوڑا کر اور جہاں تہاں ہاتھ پیر نہ مار کر مکمل یک سوئی،اور بھر پور اعتماد ویقین کے ساتھ حصول ہدف کی کوششوں میں منہمک ومشغول ہو جائے۔اپنے فیصلے پر مطمئن رہے اور اپنے کام سے خوش رہے۔یہی کامیابی کی دلیل

ہے۔انشاءاللہ ضرور کامیابی ملے گی۔

طلبہ مدارس کے تعلق سے عام طور پر یہ شکوہ کیا جاتا ہے کہ ان کا کوئی واضح ہدف متعین نہیں ہوتا،لیکن اس سلسلے میں غور وخوض کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ طلبہ مدارس کے سامنے کئی طرح کی پریشانیاں ہوتی ہیں۔مثلاً بعض طلبہ کی خواہش گھر والوں کی خواہش کے مطابق نہیں ہوتی۔گھر والے لڑکے کو عالم وفاضل دیکھنا چاہتے ہیں،اور لڑکا کچھ اور پڑھنا یا کرنا چاہتا ہے۔بعض طلبہ کہتے ہیں کہ ہم تو والدین کی خواہش پوری کرنے کے لیے یہاں پڑھ رہے ہیں،ہمیں اس لائن میں نہیں رہنا ہے،ہمیں تو فلاں کام کرنا ہے یا فلاں چیز سیکھنا ہے۔اساتذہ و معلمین بھی کبھی کبھی طلبہ پر اپنی مرضی تھوپتے اور ان پر اپنا دباؤ بنائے رکھتے ہیں۔وہ یہ سوچتے ہی نہیں کہ طلبہ بھی مختلف طبیعتیں رکھتے ہیں اور مختلف صلاحیت لے کر پیدا ہوتے ہیں،جس کی مناسبت سے انھیں مختلف میدان عمل درکار ہیں۔وہ سوچتے ہیں کہ جو ہم سوچ رہے ہیں وہ ان کے حق میں مفید ہے،وہ یہ غور نہیں کرتے کہ جوان کی طبیعتیں چاہتی ہیں وہی ان کے حق میں بہتر ہے۔وقت اور پیسا بھی مناسب ہدف کی تعیین میں بڑی رکاوٹ بن جاتا ہے۔سنجیدہ غور وفکر کے بعد ہم اس نتیجے پر بھی پہنچتے ہیں کہ مدارس کا نصاب تعلیم طلبہ کو عموماً ایک ہی رخ پر ڈھالنا چاہتا ہے اور اس میں تنوع نہیں ہے۔نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ طلبہ کو دل پسند ہدف نہیں مل پاتا اور وہ کش مکش ہی میں وقت گزار دیتے ہیں۔لوگ کہتے ہیں طلبہ،امام،خطیب،مدرس،مصنف،مبلغ،مفسر،محدث،مفتی وغیرہ جو چاہیں بن سکتے ہیں مگر غالب کے یہ خیالات دل بہلانے ہی کے لیے اچھے اور بھلے ہیں۔حقیقت یہ ہے کہ متذکرہ امور میں تنوع بہت کم ہے۔یہی وجہ ہے کہ ایک باصلاحیت عالم ان میں سے سب کچھ ہو جاتا ہے اور بے صلاحیت شخص امام مسجد سے آگے نہیں بڑھ پاتا ہے۔یہ بات متذکرہ امور کے عدم تنوع پر دال ہے۔دوسری دلیل طلبہ کو سب کچھ بنانے کے لیے یکساں نصاب تعلیم کا ہونا ہے۔یہ بات پہلی دلیل کی وضاحت بھی کہی جاسکتی ہے۔گویا اہل مدارس کو اعتراف ہے کہ متذکرہ امور میں کوئی خاص تنوع نہیں لہٰذا یکساں نصاب نافذ کر دیا جائے۔

میں یہاں وضاحت کر دوں کہ میرا مقصد علم دین کے میدان میں یکساں نصاب تعلیم پر بے چینی و بے اطمینانی ظاہر کرنا نہیں اور نہ اس کی مستقل اہمیت وافادیت اور ضرورت کو کم سمجھنا یا کم کرنا ہے،بلکہ اس پر شکوہ کرنا ہے کہ مسائل کو سمجھے بغیر شکوہ سنجیاں کیوں کی جاتی ہیں۔مناسب ہدف کی تعیین میں بے خبری ولاعلمی بھی عظیم رکاوٹ ہوتی ہے اور اسی طرح مناسب رہ نمائی کا نہ ہونا بھی بڑی وجہ ہے۔طلبہ غریب گھروں سے آتے ہیں،والدین عموماً انگوٹھا ٹیک ہوتے ہیں،وہ بھلا ان کی کیا رہ نمائی کرسکتے ہیں۔چناں چہ طلبہ پڑھائی دیر سے شروع کرتے ہیں،لاپروائی سے پڑھتے ہیں اور عمر کا بڑا حصہ گزار کر پڑھائی مکمل کرتے ہیں۔جس کا مطلب ہوا کہ انھیں بائیس پچیس سال کی عمر تک گھر سے کسی طرح کی تعلیمی وتربیتی رہ نمائی نہیں ملتی۔ مدارس کی زندگی بھی کچھ یوں ہی گزرتی ہے۔تو یہی سب وجوہات ہیں جن کے پیش نظر طلبہ تعیین اہداف نہیں کر پائے۔

اب رہا یہ سوال کہ ان مشکلات کا کوئی حل بھی ہے؟ تو جہاں تک میں سمجھتا ہوں مضمون میں ذکر کی گئی باتوں پر عمل کرنے سے مسئلہ حل یا سہل ہوسکتا ہے۔مدارس میں ایک ایسی بیداری مہم بھی چلانے کی ضرورت ہے جس کا مطلب طلبہ کو وقت کی قیمت کا احساس دلانا،علم وصلاحیت کی اہمیت کا اعتراف کرانا اور محنت وکوشش پر ابھارنا اور اکسانا ہو۔ان کے سامنے مزید تعلیمی واقتصادی امکانات روشن کرنا اور خواہش مند طلبہ کو ان کی انگلی پکڑ کر ان امکانات کے دروازے تک پہنچانا بھی مہم کا خاص مقصد ہو۔طلبہ کے سامنے سے بے خبری اور لاعلمی کا پردہ ہٹانا بھی ازحد ضروری ہے۔میں نے محسوس کیا ہے کہ مدارس کے طلبہ مستقبل کی فکر تو بہت کرتے ہیں اور کچھ اہم بننا اور کرنا چاہتے ہیں مگر اکثر اوقات خود کو بے خبر اور تنہا پاکر ہمت ہار جاتے ہیں۔ شاید کہا جائے کہ تحریروں اور تقریروں کے ذریعہ معلومات تو بہم پہنچائی جارہی ہیں اور قدم قدم پر مدد ومعاونت کا یقین بھی دلایا جارہا ہے،مگر میرے نزدیک یہ نا کافی ہے۔میرے نزدیک کافی یہ ہے کہ اسٹیج سے اتر کر اور ہاتھ سے قلم رکھ کر سیدھے طلبہ کے پاس جایا جائے،ان سے بات چیت کی جائے،انھیں مختلف معلومات فراہم کی جائیں،انھیں مانوس کیا جائے اور مدد ومعاونت کا یقین دلایا جائے ممکن ہو تو اہم تعلیمی اسفار کرائے جائیں،گویا ان سے دوستی کرلی جائے اور یہ سب کچھ متواتر اور مخلصانہ ہو۔مجھے یقین ہے کہ اگر ایسا کچھ کرلیا جائے تو طلبہ کے درمیان ایسا خوش آیند اور تعمیری انقلاب رونما ہوگا کہ دنیا پھٹی نگاہوں سے دیکھے گی اور معترضین کے منہ حیرت سے کھلے کے کھلے رہ جائیں گے۔انشاءاللہ تعالی

Monthly Mujalah

# AL-HAQIQA

Reg No: C.P.L.208

June 2022

## نقش لاثانی اسلامک یونیورسٹی

میں تعلیمی سال سنہ 2022 کے لیے

داخلہ جاری

شعبہ جات برائے داخلہ

★ درس نظامی

خصوصیات

اکابر علماء کا مرتب کردہ قدیم نصاب، تجربہ کار اساتذہ
وسیع لائبریری، دارالافتاء، کشادہ سیمینار ہال،
ماہانہ ٹیسٹ سسٹم، میڈیکل فری، ہاسٹل فری،
طلباء اور طالبات کیلئے علیحدہ علیحدہ کیمپس، کھیل کیلئے وسیع میدان

بمقام آستانہ عالیہ حضور مفکّر اسلام

نقش لاثانی نگر
شکر گڑھ نارووال

زیر اہتمام شیرانِ اسلام پاکستان / ادارہ الحقیقہ

0300-7762920-0300-7123402-0306-7766223-0304-0606405